دارالعلوم کراچی کا ترجمان
ماہنامہ
البلاغ
ماہ ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ / نومبر ۱۹۸۹ء
بانی
مفتی اعظم پاکستان حضرۃ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ

هٰذا بلاغ للنّاس

ماہنامہ البلاغ

جلد ۲۴

ربیع الثانی ۱۴۱۰ھ / نومبر ۱۹۸۹ء

شمارہ ۴

قیمت فی پرچہ	چھ روپے

سالانہ	ستّر روپے

سالانہ بدل اشتراک :

رون ممالک بذریعہ ہوائی ڈاک و رجسٹری :

استہائے متحدہ امریکہ / ۲۸۰ روپے برطانیہ، جنوبی افریقہ، ویسٹ انڈیز، برما، انڈیا، تھائی لینڈ، ہانگ کانگ، نائجیریا

سٹریلیا، نیوزی لینڈ / ۲۳۰ روپے (بنگلہ دیش/۱۸۰ روپے) سعودی عرب، عرب امارات، مسقط، بحرین، عراق، ایران، مصر، کویت / ۲۰۰ روپے

خط و کتابت کا پتہ : ماہنامہ "البلاغ" دار العلوم کراچی ۷۵۱۸۰

فون نمبر : ۳۱۱۲۱۷

شر: محمد تقی عثمانی دار العلوم، کراچی

نٹر: مشہور آفسٹ پریس، کراچی

ترتیب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد تقی عثمانی

ذکر و فکر

دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو

حمد و ستائش اُس ذات کیلئے جس نے اس کارخانۂ عالم کو وجود بخشا
اور
درود و سلام اُس کے آخری پیغمبر پر جنہوں نے دُنیا میں حق کا بول بالا کیا

ہمارے ملک، بلکہ پورے عالمِ اسلام میں ایک خاصا مؤثر حلقہ وہ ہے جو اپنی سوچ، اپنے نظریات اور اچھے بُرے کے تمامتر پیمانے مغربی افکار سے بھیک مانگ کر حاصل کرتا ہے، اور پھر انہی کی ترویج و اشاعت کو اپنے ماڈرن اور فیشن ایبل ہونے کی علامت سمجھتا اور اس پر فخر کرتا ہے۔

مغرب میں انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں کے بارے میں جو ٹیڑھے ترچھے خیالات پائے جاتے ہیں، انہی میں سے ایک خیال یہ بھی ہے کہ معاشرے کا امن و سکون غارت کرنے والے مجرموں کو قانون کے ذریعے جتنا زیادہ سے زیادہ تحفظ فراہم کیا جائے اور انکی سزاؤں میں جتنی نرمی برتی جائے، اتنا ہی وہ روشن خیالی کی علامت ہے، اور ایسے مجرموں کیلئے جتنی سخت سزائیں مقرر کی جائیں، اتنی ہی وہ دقیانوسیت اور دحشت و بربریت کی علامت ہے۔

یہ اُلٹا طرزِ فکر، جس کی رائے میں ایک طے شدہ مجرم، معصوم اور بے گناہ معاشرے کے مقابلے میں زیادہ قابلِ رحم ہے، مغرب کی نقالی کے شوق میں مسلمان ملکوں میں بھی رواج پا رہا ہے، اور اسی ذہنیت کا مظاہرہ ہمارے ملک میں حدود آرڈیننس کے خلاف پروپیگنڈے

کی صورت میں کچھ عرصے سے ہو رہا ہے۔ 'البلاغ' کے سابق شمارے میں مولانا عزیز الرحمٰن صاحب نے اس پروپیگنڈے کا پوری سنجیدگی کے ساتھ عالمانہ جائزہ لیا ہے جو قارئین کی نظر سے گذر چکا ہوگا۔

اسی دوران احقر کو پچھلے دنوں امریکہ اور کینیڈا کا سفر پیش آیا، وہاں ایک اخبار میں ایک دلچسپ، مگر عبرتناک، خبر نظر سے گذری جو اس موضوع سے گہرا تعلق رکھتی ہے، میں اپنے ساتھ وہ اخبار اسی خیال سے لے آیا تھا کہ یہ خبر قارئین البلاغ' کی ضیافت طبع کیلئے پیش کروں گا' شاید وہ جرم و سزا کے باب میں مغرب کی نقالی چاہنے والوں کیلئے سرمۂ بصیرت بن سکے۔

یہ اخبار ٹورنٹو (کینیڈا) سے شائع ہونے والا "نیشنل انکوائرز" (National Enquirer) ہے' جس کا یہ دعویٰ اس کے سرورق پر لکھا ہوا ہے کہ وہ امریکی براعظم کا سب سے کثیر الاشاعت ہفت روزہ ہے۔ اس کی ۷، اکتوبر ۱۹۸۹ء کی اشاعت میں صفحہ ۵۰ پر ایک خبر شہ سرخیوں کے ساتھ شائع کی گئی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ کینیڈا کے علاقے برٹش کولمبیا میں ایک وحشتناک مجرم کلفرڈ اولسن (Clifford Olson) کو قتل، زنا بالجبر اور غیر فطری عمل کے الزام میں گرفتار کیا گیا۔ یہ شخص نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو روزگار دلانے کے بہانے اپنے ساتھ لیجاتا، ان کو نشہ آور گولیاں دیتا، پھر ان کے ساتھ زبردستی جنسی عمل کرتا اور بالآخر انہیں قتل کر کے ان کی لاشیں دور دراز کے مقامات پر دفن کر دیتا تھا۔ جب اسے گرفتار کیا گیا تو اس نے گیارہ نوعمر بچوں اور بچیوں کے بارے میں یہ اعتراف کیا کہ اس نے ان سب کو ورغلا کر ان کے ساتھ زنا یا لواطت بالجبر کا ارتکاب کیا اور ان سب کو قتل کر کے انہیں مختلف علاقوں میں چھپا دیا، اور قتل بھی اس بربریت کے ساتھ کیا کہ جب ایک بچے کی لاش برآمد ہوئی تو اس کے سر میں لوہے کی ایک میخ اس درندے نے ٹھونکی ہوئی تھی۔

لیکن دلچسپ اور عبرت انگیز بات یہ ہے کہ جب پولیس نے اس درندہ صفت مجرم سے یہ مطالبہ کیا کہ جن گیارہ بچوں کو اس نے اپنی بربریت کا نشانہ بنایا ہے' ان کی لاشوں کی نشان دہی کرے' تو اس نے کہا کہ میں نے ان گیارہ کے گیارہ بچوں کی لاشیں خود اپنے ہاتھوں سے مختلف جگہوں پر چھپائی ہیں' اور مجھے وہ جگہیں معلوم ہیں، لیکن اگر آپ مجھ سے ان جگہوں کی نشان دہی کرانا چاہتے ہیں تو مجھے فی لاش دس ہزار ڈالر معاوضہ ادا کریں۔

چوری اور سینہ زوری کی ایسی تاریخی مثال کب کسی کے تصور میں آئی ہوگی؟ لیکن نظامِ قانون کی بے بسی کا اندازہ کیجئے کہ پولیس نے بالآخر اس کے مطالبے کے آگے ہتھیار ڈال دیئے' اور خوشامد درآمد کے بعد جو زیادہ سے زیادہ رعایت اس مجرم نے پولیس کو دی وہ یہ تھی

کہ اگر دس بچّوں کی لاشوں کی برآمدگی کا معاوضہ یعنی ایک لاکھ ڈالر آپ مجھے دیدینگے تو گیارھویں بچّے کی لاش میں مُفت برآمد کرادوں گا۔

بالآخر پولیس نے اس "رعایت" سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اولسن کو ایک لاکھ ڈالر معاوضہ ادا کیا، اس کے بعد اس نے کینیڈا کے مختلف شہروں سے گیارہ بچّوں کی لاشیں پولیس کے حوالہ کیں، ان گیارہ بچّوں کی تصویریں بھی اخبار نے شائع کی ہیں، اور ان سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ بچّے بارہ سے اٹھارہ سال تک کی عمر کے ہونگے۔

اس "تفتیش"، "اعتراف" اور ایک لاکھ ڈالر کے نفع بخش سودے کے بعد جب مجرم پر مقدمہ چلایا گیا تو چونکہ کینیڈا میں سزائے موت کو "وحشیانہ سزا" قرار دیکر ختم کردیا گیا ہے، اسی لئے عدالت اس مجرم کو جو زیادہ سے زیادہ سزا دے سکی وہ عمر قید تھی۔ البتہ عدالت نے جُرم کی سنگینی کے اعتراف کے طور پر سزا دیتے وقت یہ "سفارش" ضرور کردی کہ اس مجرم کو کبھی پیرول پر رہا نہیں کیا جاسکے گا۔ اخبار نے "سفارش" کا لفظ استعمال کیا ہے جس سے ظاہر یہ ہوتا ہے کہ شاید عدالت کو ایسا "حکم" دینے کا اختیار نہیں تھا، وہ صرف "سفارش" ہی کرسکتی تھی۔

ان گیارہ بچّوں کے ستم رسیدہ ماں باپ کو جب یہ پتہ چلا کہ جس درندے نے ان کے کمسن بچّوں کی جان لی اور ان کی عزّت لوٹی، اُسے ایک لاکھ ڈالر کا معاوضہ ادا کیا گیا ہے تو ان میں اضطراب اور اشتعال کی لہر دوڑ گئی، اور انہوں نے اولسن پر ایک ہرجانے کا مقدمہ دائر کیا، جس میں یہ مطالبہ کیا گیا کہ کینیڈا کے ٹیکس دینے والوں کے ایک لاکھ ڈالر جو اس درندہ صفت مجرم کی جیب میں گئے ہیں، کم از کم وہ اس سے واپس لیکر مرنے والے بچّوں کے ورثاء کو دلوائے جائیں، لیکن ان کو اس مقدمے میں شکست ہوگئی، اپیل کورٹ نے بھی ان کا مقدمہ خارج کردیا، اور سپریم کورٹ نے یہ کیس سُننے سے انکار کردیا۔

دوسری طرف مجرم اولسن نے ۴ ہ جنوری کو ہائی کورٹ میں ایک درخواست دی ہے جس میں یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ اُسے جیل میں بہتر رہائشی سہولیات (lietter Prison Accomodation) مہیا کی جائیں۔ ہائی کورٹ نے یہ درخواست سماعت کیلئے منظور کرلی ہے۔ بلکہ اس درندے نے یہ درخواست بھی دی تھی کہ مسلسل قید کی وجہ سے مجھے اپنے پاگل ہونے کا خطرہ ہے، اس لئے مجھے رہائی دی جائے۔ لیکن عدالت نے یہ کرم کیا کہ یہ درخواست مُسترد کردی۔

جن لوگوں کے بچّے اس وحشتناک ظلم وستم کا نشانہ بنے، انہوں نے اس صورتِ حال

کے نتیجے میں ایک انجمن بنائی ہے جس کا نام "نشانہ ہائے تشدد" (victims of violence)
ہے۔ اس انجمن نے پارلیمنٹ کے ارکان سے مطالبہ کیا ہے کہ کینیڈا میں سزائے موت کو واپس
لایا جائے۔ اس انجمن کے ایک نمائندے نے اخبار کے نمائندے سے گفتگو کرتے ہوئے کہا:

"ہم نے ہار نہیں مانی، ہم نے ایک گروپ بنایا ہے، اور ہم نے کینیڈا کی پارلیمنٹ کے ارکان سے مطالبہ کیا ہے کہ کینیڈا میں سزائے موت کو واپس لایا جائے۔ اولسن جیسے جنسی درندوں کو سیدھا جہنم میں بھیجنا چاہیے جہاں کے وہ واقعۃً مستحق ہیں۔"

اخبار کی رپورٹ کا یہ خلاصہ ہم نے بے کم و کاست عرض کر دیا ہے جو کسی طویل تبصرے کا محتاج نہیں۔ مجرموں کو دی جانے والی عبرتناک سزاؤں کو "وحشیانہ" اور "غیر مہذب" قرار دے دیکر اور مجرموں کے ساتھ قانونی پیار کا سلوک کر کر کے حالت اب یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ مجرم کو ایک لاکھ ڈالر (یعنی تقریباً اٹھارہ لاکھ پاکستانی روپے) کا معاوضہ ادا کیا گیا، اور سینے پر اولاد کا زخم کھائے ہوئے ستم رسیدہ افراد کو ایک پیسہ ہرجانہ دینے کی گنجائش پیدا نہ ہوئی، مجرم کو جیل میں "بہتر رہائشی سہولیات" فراہم کرنے پر عدالتیں غور کر رہی ہیں، لیکن "نشانہ ہائے ستم" کی فریاد سننے کیلئے کوئی عدالت تیار نہیں۔

دوسری طرف ہمارے ملک کے فکری بزرجمہر ہیں کہ انہیں ہمارے پورے نظام قانون میں سب سے بڑی خرابی اس "حدود آرڈی ننس" میں نظر آتی ہے جس کا سب سے بڑا قصور یہ ہے کہ اس نے اس قسم کے درندہ صفت مجرموں کیلئے وہ سزائیں تجویز کی ہیں جنکے وہ مستحق ہیں۔

اسلام نے قصاص و دیت اور حدود و تعزیرات کے ذریعے انسانی نفسیات کے ہر پہلو کا اس باریک بینی سے خیال رکھا ہے کہ اس میں ایک طرف مجرم کو کیفر کردار تک پہنچانے اور اسے دوسروں کیلئے سامانِ عبرت بنانے کا پورا اہتمام موجود ہے، اور دوسری طرف جو لوگ اس قسم کے جرائم کا نشانہ بنتے یا ان سے متاثر ہوتے ہیں، ان کی جذباتی تسکین اور مالی تلافی دونوں کا انتظام کیا گیا ہے، اور ساتھ ہی اس بات کا خیال رکھا گیا ہے کہ اگر ایک مرتبہ کسی جرم کا ارتکاب ہو تو اس کے تمام تر نتائج و ثمرات اسی ایک واقعے پر ختم ہو جائیں، نفرتوں اور عداوتوں کی آگ کو مزید بھڑک کر اور زیادہ جرائم کو ہوا دینے کا موقع نہ ملے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ اگر مجرم کو کیفر کردار تک پہنچتا دیکھ کر متاثر افراد کا اشتعال ٹھنڈا نہیں ہوگا، بلکہ وہ یہ دیکھیں گے کہ ایسے گھناؤنے جرائم کے ذمہ دار نہ صرف آزادی سے دندناتے پھر رہے ہیں، بلکہ انہیں ان کے جرائم پر معاوضے سے نوازا جا رہا ہے تو ان کے سینے کی آگ کسی نہ کسی دن کوئی شگوفہ ضرور کھلا کر رہے گی۔

اسی لئے اسلام نے ایک طرف عبرتناک سزاؤں کا نظام قائم فرمایا ہے، اور دوسری طرف ضرر رسیدہ افراد کیلئے دیت یا خوں بہا کی شکل میں مالی تلافی کا بھی انتظام کیا ہے۔ لیکن چونکہ مغرب کے اسلام دشمن حلقوں کے منہ سے ایک مرتبہ یہ بات نکل گئی کہ "اسلام کی سزائیں وحشیانہ اور غیر مہذب ہیں" تو ہمارے وہ مغرب پرست حلقے جن کے دماغ سے لیکر دل تک کوئی چیز اپنی نہیں ہے، اور جن کی سوچ سے لیکر جذبات تک ہر چیز مغرب سے مانگی ہوئی ہے، اسلام کی مقرر کردہ سزاؤں پر تنقید کرنے سے ہی نہیں، ان کے خلاف دریدہ دہنی سے بھی نہیں چوکتے۔ اقبال مرحوم نے ایسے ہی لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے بڑی دردمندی سے کہا تھا ؎

عقلِ تو زنجیریٔ افکارِ غیر — در گلوئے تو نفس از تارِ غیر

بر زبانت گفتگو ھا مستعار — در دلِ تو آرزو ھا مستعار

قمریانت را نوا ھا خواستہ — سرو ہایت را قبا ھا خواستہ

آں نگاہش سرِ مَا زاغَ البصر — سوئے قومِ خویش باز آید اگر

لَسْتَ مِنِّی گویدت مولائے ما
وائے ما اے وائے ما، اے وائے ما

محمد تقی عثمانی

۲۶ ربیع الاوّل سنہ ۱۴۱۰ھ

حکیم الامت مجدد الملۃ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس سرہ کی تالیفات سے دورِ حاضر کے انسانوں کی اصلاح کا جو عظیم الشان کام ہوا ہے اور بفضلہ تعالیٰ اب بھی ہو رہا ہے اس کا تقاضا یہی ہے کہ حضرت والا کی تمام تالیفات مواعظ و ملفوظات مسلسل طبع ہو کر لوگوں کے مطالعہ میں آتی رہیں۔ اس مقصد کیلئے بہت سے ادارے مصروفِ کار ہیں۔

لیکن ایک عرصہ سے اسکی بھی ضرورت محسوس ہو رہی تھی کہ حضرت تھانوی قدس سرہ کی وہ تحریریں جو کہ کم یاب یا نایاب ہو چکی ہیں۔ انہیں اپنی اصلی ہیئت کے ساتھ دوبارہ ہدیۂ ناظرین کیا جائے۔ بحمد اللہ اس ذمہ داری کو پورا کرنے کیلئے ادارہ "**اشرف العلوم شعبہ دار العلوم کراچی**" کا قیام عمل میں لایا گیا ہے جو نایاب کتابوں کی طباعت کا انتظام کیا کرے گا، اور ان کتابوں کی اشاعت دار العلوم ہی کے دوسرے شعبے مکتبہ دار العلوم کے ذریعے ہوگی۔

ادارہ ھذا نے اپنی خشتِ اول کے طور پر شائقین و طالبین کیلئے ایک مجموعہ جو تین قسم کے ملفوظات پر مشتمل ہے اور اس کا لقب خود حضرت قدس سرہ نے

رکھا تھا شائع کر کے کام کا آغاز کر دیا ہے۔

علم و عرفان کے تشنگان اپنی سیرابی کیلئے درج ذیل پتہ سے اس کتاب کو حاصل کر سکتے ہیں نیز ناظرین سے اسکی گذارش ہے کہ اگر انکے علم میں حکیم الامت مجدد الملت حضرت تھانوی کا کوئی نایاب قلمی مسودہ یا طبع شدہ نایاب تالیف ہو تو ادارہ ھذا کو عاریۃً طبع جدید کیلئے عنایت فرما دیں اس کا اجر بھی ان شاء اللہ ان کے اعمال حسنہ میں جمع ہو کر ذخیرہ سعادت آخرت کا ہوگا۔

ناظم ادارہ اشرف العلوم، شعبہ دار العلوم کراچی

کتاب منگوانے کا پتہ: مکتبہ دار العلوم کراچی

ڈاکخانہ دار العلوم کراچی ۱۴

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رح

توبہ کی حقیقت

معارف القرآن ۞ سورۃ شوریٰ ۞ آیت ۲۴ تا ۲۶

خلاصہ تفسیر

کیا یہ لوگ (آپ کی نسبت نعوذ باللہ) یوں کہتے ہیں کہ انہوں نے خدا پر جھوٹ بہتان باندھ رکھا ہے (کہ نبوت اور وحی کا خلافِ واقع دعویٰ کیا ہے) سو (ان کا یہ قول خود افترا ہے، اس لئے کہ آپ کی زبانِ حق ترجمان سے اللہ کا یہ معجز کلام جاری ہو رہا ہے جو سچے نبی کے سوا کسی کی زبان پر جاری نہیں ہو سکتا۔ اگر معاذ اللہ آپ اپنے دعوائے رسالت میں سچے نہ ہوتے تو اللہ یہ کلام آپ پر جاری نہیں کر سکتا تھا۔ چنانچہ) خدا (کو یہ قدرت حاصل ہے کہ) اگر (وہ) چاہے تو آپ کے دل پر بند لگا دے (اور یہ کلام آپ کے قلب پر نہ القا ہو، نہ باقی رہے، بلکہ سلب ہو جائے، اور آپ بالکل بھول جائیں اور اس صورت میں ظاہر ہے کہ زبان سے اس کا صدور ہو ہی نہیں سکتا) اور اللہ تعالیٰ (کی یہ عادت ہے کہ وہ نبوت کے) باطل (دعوے) کو مٹایا کرتا ہے (چلنے نہیں دیتا، یعنی ایسے جھوٹے مدعی کے ہاتھ پر معجزات ظاہر نہیں ہوتے) اور (نبوت کے) حق (دعوے) کو اپنے احکام سے ثابت (اور غالب) کیا کرتا ہے (پس آپ صادق اور وہ کاذب ہیں اور چونکہ) وہ (یعنی اللہ تعالیٰ) دلوں (تک) کی باتیں جانتا ہے (چہ جائیکہ زبان کے اقوال اور جوارح کے افعال، پس اللہ تعالیٰ کو ان لوگوں کے عقائد، اقوال اور اعمال سب کی خبر ہے، ان سب پر خوب سزا دے گا، ہاں جو لوگ اپنے کفر اور بداعمالیوں سے توبہ کر لیں انہیں معاف کر دے گا۔ کیونکہ یہ اس کا قانون ہے) اور وہ ایسا (رحیم) ہے کہ اپنے بندوں کی توبہ (بشرطہا) قبول کرتا ہے اور وہ (اس توبہ کی برکت سے) تمام (گذشتہ) گناہ معاف فرما دیتا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو۔ وہ اس (سب) کو جانتا ہے (پس اس کو یہ بھی معلوم ہے کہ توبہ خالص کی ہے یا غیر خالص) اور (جب کوئی شخص کفر

سے توبہ کرکے مسلمان ہوگیا تو اُس کی جو عبادتیں پہلے قبول نہ ہوتی تھیں، اب قبول ہونے لگیں گی، کیونکہ اللہ تعالیٰ) ان لوگوں کی عبادت (بشرطیکہ ریاء کے لئے نہ ہو) قبول کرتا ہے جو ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے (وہ عبادتیں یہی نیک عمل ہیں اور ان کو قبول کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کو ثواب دیتا ہے) اور (علاوہ اس ثواب کے جو فی نفسہٖ اس عمل کا مقتضا ہے) ان کو اپنے فضل سے اور زیادہ (ثواب) دیتا ہے (یہ تو ایمان والوں کے لئے ہوا) اور جو لوگ کفر (پر اصرار) کررہے ہیں (اور ایمان نہیں لاتے) اُن کے لئے سخت عذاب (مقرر) ہے۔

معارف و مسائل

آیاتِ مذکورہ میں سے پہلی آیت میں حق تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت اور قرآن کو غلط اور خدائے تعالیٰ پر افتراء کہنے والوں کو اپنا ایک عام ضابطہ بتلا کر جواب دیا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایسے کام جو عادتاً انسان نہیں کرسکتے۔ جن کو خرقِ عادت یا معجزہ کہا جاتا ہے۔ اگرچہ بعض ساحر جادوگر بھی بغیر اللہ تعالیٰ کے ارادے اور مشیت کے کچھ نہیں کرسکتا۔ حق تعالیٰ ہی اپنے فضل سے انبیاء کی نبوت ثابت کرنے کے لئے ان کو معجزات عطا فرماتے ہیں۔ جن میں پیغمبر کا کوئی اختیار نہیں ہوتا۔

اسی طرح جادوگروں کا جادو بھی اپنی حکمت امتحان و آزمائش کی بناء پر چلنے دیتے ہیں۔ مگر سحر اور معجزہ میں فرق اور نبی اور ساحر میں امتیاز کے لئے اس نے یہ ضابطہ جاری کررکھا ہے کہ جو شخص نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرے۔ اس کے ہاتھ سے کوئی سحر یا جادو کامیاب نہیں ہوتا۔ جب تک کہ وہ مدعی نبوت نہ ہو سحر چلتا ہے۔ نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرنے کے بعد اس کا سحر اللہ تعالیٰ نہیں چلنے دیتے۔

اور جن کو اللہ تعالیٰ نبوّت و رسالت عطا فرماتے ہیں۔ ان کو معجزات بھی عطا فرماتے ہیں اور ان کے معجزات کا صدور روشن کرتے ہیں۔ اس طرح تکوینی اور تقدیری طور پر ان کی نبوت ثابت کردیتے ہیں۔ دوسرے اپنے کلام کی آیات میں اُن کی تصدیق نازل فرمادیتے ہیں۔

جب یہ ضابطہ معلوم ہوگیا تو اب یہ سمجھو کہ قرآن کریم ایک معجزہ ہے کہ تمام دنیا کے جن و بشر اس کی ایک آیت کی مثال بنانے سے عاجز ہیں جن کا عجز زمانہ نبوّت میں ثابت ہوچکا اور آج تک ثابت ہے ایسا کھلا ہوا معجزہ کسی جھوٹے مدعی نبوّت سے حسب ضابطہ مذکورہ صادر نہیں ہوسکتا۔ اس لئے آپ کا دعویٰ وحی و رسالت صحیح اور حق ہے، اس کو غلط اور افتراء کہنے والے گمراہ مفتری ہیں۔

دوسری آیت میں منکرین و معاندین کو نصیحت کی گئی ہے کہ اب بھی کفر و انکار سے باز آجائیں اور توبہ کرلیں۔ اللہ تعالیٰ بڑا رحیم و کریم ہے، توبہ کرنے والوں کی توبہ قبول فرمالیتا ہے اور ان کی خطاؤں کو بخش دیتا ہے۔

توبہ کی حقیقت

: توبہ کے لفظی معنی لوٹنے اور رجوع کرنے کے ہیں اور شرعی اصطلاح میں کسی گناہ سے باز آنے کو توبہ کہتے ہیں۔ اور اس کے صحیح و معتبر ہونے کے لئے تین شرائط ہیں۔

ایک یہ کہ جس گناہ میں فی الحال مبتلا ہے اس کو فوراً ترک کردے، دوسرے یہ کہ ماضی میں جو گناہ ہوا اس پر نادم ہو اور تیسرے یہ کہ آئندہ اُسے ترک کرنے کا پختہ عزم کرلے اور کوئی شرعی فریضہ چھوڑا ہوا ہے تو اُسے ادا یا قضا کرنے میں لگ جائے اور اگر گناہ حقوق العباد سے متعلق ہے تو اس میں ایک شرط یہ بھی ہے کہ اگر کسی کا مال اپنے اوپر واجب ہے اور وہ شخص زندہ ہے تو یا اُسے وہ مال لوٹائے یا اس سے معاف کرائے اور اگر وہ زندہ نہیں اور اس کے ورثہ موجود ہیں تو ان کو لوٹائے۔ اگر ورثہ بھی نہیں ہیں تو بیت المال میں داخل کرائے۔ بیت المال بھی نہیں ہے یا اس کا انتظام صحیح نہیں ہے تو اس کی طرف سے صدقہ کردے اور اگر کوئی غیر مالی حق کسی کا اپنے ذمہ واجب ہے مثلاً کسی کو ناحق ستایا ہے برا بھلا کہا ہے یا اس کی غیبت کی ہے تو اُسے جس طرح ممکن ہو راضی کرکے اس سے معافی حاصل کرے۔

اور یہ تو ہر قسم کی توبہ کے لئے ضروری ہے ہی کہ گناہ کا ترک کرنا اللہ کے لئے ہو، اپنے کسی جسمانی ضعف یا مجبوری کی بنا پر نہ ہو۔ اور شریعت میں اصل مطلوب تو یہ ہے کہ توبہ سارے ہی گناہوں سے کی جائے لیکن اگر صرف کسی خاص گناہ سے توبہ کی گئی تو اہل سنت کے مسلک کے مطابق اس گناہ کی حد تک تو معافی ہو جائے گی۔ دوسرے گناہوں کا وبال سر پر رہے گا۔

مفتی محمد رفیع عثمانی
صدر دارالعلوم کراچی

قسط (۱۲)

جنیوا سمجھوتے پر دستخط:

اس سمجھوتے کا پس منظر اور لب لباب کافی پیچھے "مجاہدین کی ایمانی فراست اور جنیوا سمجھوتہ" کے عنوان کے تحت عرض کرچکا ہوں۔ یہ سمجھوتہ پاکستان پر زبردستی مسلط کیا گیا ہے، ورنہ اصل فریقین روس اور مجاہدین افغانستان تھے، سمجھوتہ یا مذاکرات ہونے ہی تھے تو ان دو فریقوں کے فریقین کے درمیان ہونے چاہییں تھے پاکستان تو اس معاملہ میں فریق ہی نہیں تھا، لیکن امریکہ اور روس نے بدترین دباؤ ڈال کر یہ سمجھوتہ حکومتِ پاکستان اور کابل انتظامیہ کے درمیان کروایا ہے — جو حکومتیں غیروں کے سہارے زندہ رہنا چاہتی ہیں، وہ ذہنی مرعوبیت اور احساسِ کمتری کا شکار بھی ضرور ہوتی ہیں، اُنہیں قومی زندگی کے اہم موڑوں پر بھی قومی ضمیر کے خلاف فیصلے کرنے پڑتے ہیں۔ پاکستان کی منتخب مسلم لیگی "جونیجو حکومت" کو بھی اس نام نہاد سمجھوتے پر اسی لئے دستخط کرنے پڑے۔

اپنے رازق کو نہ پہچانے تو محتاجِ ملوک
اور پہچانے تو ہیں تیرے گدا دارا و جم

بہرحال اس سراسر غیر معقول اور ظالمانہ سمجھوتے پر ۱۴ اپریل ۱۹۸۸ء کو جنیوا میں حکومتِ پاکستان کی طرف سے وزیرِ مملکت برائے امورِ خارجہ جناب زین نورانی نے، اور کابل کی کٹھ پتلی انتظامیہ

کی طرف سے اُس کے وزیرِ خارجہ نے "اصل فریقین" کی حیثیت سے دستخط کر دیئے۔ روس اور امریکہ کے وزرائے خارجہ نے اپنے اپنے ملکوں کی طرف سے بہ طور "ضامن" دستخط کئے ہیں۔

سمجھوتے کی دستاویزات میں کہا گیا ہے کہ یہ سمجھوتہ دستخطوں کے ساٹھ دنوں بعد (۱۵ جون ۱۹۸۸ء سے) نافذ العمل ہوگا۔ (افغانستان سے) غیر ملکی (رُوسی) فوجوں کا انخلاء اسی تاریخ (۱۵ جون) سے شروع ہوگا، آدھی فوج ۱۵ اگست ۱۹۸۸ء تک واپس بُلالی جائے گی، اور ساری فوج کا انخلاء ۹ ماہ میں مکمل ہوگا۔

سمجھوتے میں پاکستان پر کڑی پابندیاں:

اس سمجھوتے کی دستاویزات میں پاکستان پر جو کڑی پابندیاں خوشنما سفارتی الفاظ میں لپیٹ کر عائد کی گئی ہیں وہ سادہ الفاظ میں یہ ہیں:

۱۔ روس کی قائم کی ہوئی کمیونسٹ کابل انتظامیہ کو ___ جسے پاکستان نے آجتک تسلیم نہیں کیا تھا ___ پاکستان اُسے عملاً تسلیم کرلے۔

۲۔ اس کٹھ پتلی انتظامیہ کا "اقتدارِ اعلیٰ" افغانستان کے اُس اسّی فیصد علاقے پر بھی عملاً تسلیم کرلے جسے مجاہدین آزاد کراچکے ہیں، اور جس پر مجاہدین کا مکمل کنٹرول ہے۔

۳۔ یہ ناجائز انتظامیہ ___ جسے امریکہ بھی "ناجائز انتظامیہ" ہی کہتا ہے ___ جو رُوس کے ساتھ مِلکر اُسی کے بل بوتہ پر مجاہدین سے برسرِ پیکار ہے، اور جس کی گردن پر افغانستان کے ۱۵ لاکھ مُسلمانوں کا خون ہے ___ پاکستان اس کے "اقتدارِ اعلیٰ" کی سیاسی آزادی، علاقائی سالمیت، قومی وحدت، اور سلامتی کا ایسا ہی "احترام" کرے، اور اپنی طرف سے اُس کو ایسا ہی تحفّظ فراہم کرے جیسا کہ پاکستان خود اپنے لئے چاہتا ہے۔
(اس کے بین السطور میں یہ اشارہ موجود ہے کہ اگر پاکستان نے ایسا نہ کیا تو کابل کی خفیہ تنظیم "خاد" کے تربیت یافتہ کمانڈوز پاکستان میں اُن تخریبی کارروائیوں اور دہشت گردیوں کو جاری رکھیں گے جو کئی سال سے یہاں کے شہروں میں روز کا معمول بنی ہوئی ہیں)۔

۴۔ پاکستان اپنے ذرائع ابلاغ کو پابند کرے کہ ان سے کمیونسٹ کابل انتظامیہ کے خلاف کسی قسم کا پروپیگنڈا نہ ہوسکے۔

یہ نام نہاد سمجھوتہ روس کو تو اپنی کٹھ پتلی کابل انتظامیہ کو مہلک ترین ہتھیار اور جنگی ساز و سامان فراہم کرنے سے نہیں روکتا، بھارت پر بھی اس سلسلہ میں کوئی پابندی نہیں لگاتا ___ امریکہ بھی

اگر چاہے تو مجاہدین کو اسلحہ دے سکے گا ـــــ لیکن سمجھوتے میں پاکستان پر یہ پابندی عائد کی گئی ہے کہ

۵۔ وہ براہِ راست یا بالواسطہ مجاہدین کی کسی قسم کی کوئی امداد یا حوصلہ افزائی نہیں کریگا۔

۶۔ انہیں فوراً پاکستان سے نکل جانے پر مجبور کرے گا، اور اپنی سرزمین پر کسی مجاہد کا وجود ایک لمحہ کیلئے بھی برداشت نہیں کرے گا۔

۷۔ اپنی سرزمین سے مجاہدین کو گذرنے یا اسلحہ و گولہ بارود اور سازوسامان لے جانے کی اجازت نہیں دے گا۔

۸۔ مجاہدین کو ابلاغِ عامہ کے ذرائع استعمال کرنے کی بھی اجازت نہیں دے گا۔

خلاصہ یہ کہ پاکستان کو جہاد اور مجاہدین افغانستان کا مکمل بائیکاٹ کرنا ہوگا، مجاہدین کے لئے امریکہ کے علاوہ کسی اور ملک سے آنے والی امداد بھی مجاہدین تک نہیں پہنچنے دے گا۔ کابل کی ناجائز انتظامیہ کے ساتھ "باہمی احترام اور تعاون" کی پالیسی اپنا کر اُسے اپنی طرف سے پورا تحفظ فراہم کرے گا ـــــ دوسرے الفاظ میں پاکستان کو اپنی ۹ سالہ افغان پالیسی کے بالکل برعکس مجاہدین سے دشمنی، اور اُن کے دشمن سے صلح کرنی پڑیگی۔

رُوسی فوجوں کی واپسی:

بظاہر اس سمجھوتے میں غیر ملکی (رُوسی) فوجوں کی واپسی کا اعلان بڑا خوش کن ہے مغربی ذرائع ابلاغ نے سمجھوتے کے اسی حصے کو سب سے زیادہ اُچھال کر اسے "عظیم کامیابی" قرار دیا ہے، اور جو پابندیاں پاکستان پر لگائی گئی ہیں، اُن سے توجہ ہٹانے کیلئے برابر یہ تأثر دیا جارہا ہے کہ یہ سمجھوتہ دراصل رُوسی فوجوں کی واپسی کو یقینی بنانے کیلئے وجود میں آیا ہے، اسکے بغیر روسی فوجوں کی افغانستان سے واپسی ممکن نہ تھی ـــــ لیکن جسے جہادِ افغانستان کے حالات کا ذرا بھی علم ہے وہ جانتا ہے کہ روسی فوجوں کی واپسی کا ذکر اس سمجھوتے میں صرف "زیبِ داستان" کیلئے کیا گیا ہے، ورنہ یہ اس سمجھوتے کا سب سے زیادہ لایعنی حصہ ہے، کیونکہ روس تو حالات سے مجبور ہوکر اس سمجھوتے کے بغیر بھی اپنی فوجیں واپس بُلانے کا واضح اعلان کرچکا تھا، جو اس سمجھوتے سے ۲۸ روز قبل ۱۸ مارچ ۱۹۸۸ء کے اخبارات میں شہ سرخیوں کے ساتھ شائع ہوچکا تھا۔

تفصیل اسکی یہ ہے کہ رُوس نے ابتدائً یہ اعلان کیا تھا کہ اگر جنیوا سمجھوتے پر ۱۵ مارچ ۱۹۸۸ء تک دستخط ہوگئے تو وہ ۱۵ مئی ۱۹۸۸ء سے اپنی فوجوں کا انخلا شروع کردے گا، اور

پاکستان پر دباؤ ڈالنے کیلئے یہ دھمکی آمیز تأثر دیا تھا کہ یہ آخری موقع دیا جارہا ہے، اگر ۱۵ مارچ تک دستخط نہ ہوئے تو یہ پیشکش ختم ہوجائے گی ـــــــــ لیکن حکومتِ پاکستان نے شروع میں مضبوط موقف اختیار کیا اور دستخط کرنے پر آمادگی ظاہر نہ کی، یہاں تک کہ ۱۵ مارچ کی تاریخ بھی گذر گئی ـــــــ سوال پیدا ہوا کہ اب روس کیا کرے گا؟ کیا فوجیں واپس بھیجنے سے انکار کردے گا؟ اس سوال کا جواب اُس نے بڑی بے چارگی کے عالم میں یہ دیا جو ۱۸ مارچ کے اخبارات میں شائع ہوچکا ہے کہ

"سمجھوتہ نہ ہوسکا تو بھی ہم اپنی فوجیں واپس بُلالیں گے اور اس کا طریقِ کار خود ہی طے کرلیں گے"۔

لطیفہ:

اس پر مجھے ایک لطیفہ یاد آگیا ـــــــ ایک دُکان کے ملازم نے مالک سے تنخواہ بڑھانے کی بار بار درخواست کی، اُس نے ہر بار سُنی اَن سُنی کردی، ایک بار ملازم جی کڑا کرکے یہ سوچ کر مالک کے پاس آیا کہ آج مطالبہ دھمکی آمیز کروں گا، شاید اس سے کام چل جائے۔ اس نے بلند آواز سے فیصلہ کُن انداز میں کہا "اس ماہ سے تنخواہ بڑھادو، ورنہ" ـــــــ مالک نے غصے سے بات کاٹتے ہوئے، زور سے پوچھا "ورنہ کیا"؟ ـــــــ ملازم سٹ پٹا گیا، اور گردن جُھکا کر آہستہ سے بولا۔

"ورنہ ـــــ ورنہ حضور اسی تنخواہ پر کام کروں گا"۔

بہر حال! روس نے اپنی فوجوں کی واپسی کو "جنیوا سمجھوتے" کے ساتھ مشروط نہیں کیا تھا' وہ نو سال کی عبرتناک رُسوائی' اور مجاہدین کی سبق آموز مزاحمت سے زچ ہوکر اس دلدل سے نکلنے اور اپنی فوجوں کو جلد از جلد واپس بُلانے پر مجبور ہوچکا تھا۔ کیونکہ ایک طرف تو افغانستان میں اُس کی فوجیں بُری طرح پِٹ کر ہمت ہار چکی تھیں، اور ہر قیمت پر یہاں سے چھٹکارا پاکر اپنے گھروں کو واپس جانے کیلئے بے تاب تھیں' دوسری طرف روس کو اس ۹ سالہ قسمت آزمائی میں سراسر ناکامی کے باعث بہت سے اندرونی پیچیدہ مسائل نے جکڑا ہوا تھا، اُس کی اقتصادی حالت مسلسل تباہی کی طرف جارہی تھی' اور اُس کی مقبوضہ اسلامی ریاستوں ازبکستان (بخاری' تاشقند، سمرقند) وغیرہ کے مسلمانوں میں بھی آزادی اور جہاد کی لہر جاگ اُٹھی تھی ـــــــ لہٰذا یہ بات تو طے شدہ تھی کہ روسی فوجیں جو مجاہدین کی تند و تیز یلغار کے سامنے بے بس ہوکر رہ گئی

ہیں اب یہاں نہیں ٹھہر سکیں گی، اور جنیوا سمجھوتہ ہو یا نہ ہو روس بہر حال اپنی فوجیں افغانستان سے نکالنے کا صرف فیصلہ ہی نہیں بلکہ اعلان بھی کر چکا ہے ـــــ روس اپنی فوجوں کی واپسی کیلئے کتنا بے قرار تھا؟ اس کا کچھ اندازہ دُنیا نے اس سے بھی کیا کہ جب جنیوا سمجھوتے پر ۱۴ اپریل کو دستخط ہو گئے تو اُس کی رو سے فوجوں کی واپسی ۱۵ جون سے شروع ہونی تھی، مگر اُس نے اپنی فوجوں کا انخلاء ایک ماہ قبل ۱۵ مئی ہی سے شروع کر دیا۔

اس پوری تفصیل سے یہ بات واضح ہے کہ جنیوا سمجھوتے میں روسی فوجوں کی واپسی کا ذکر کوئی اہمیت نہیں رکھتا، اس سمجھوتے کے اہم ترین اجزاء وہ ہیں جن میں پاکستان پر وہ پابندیاں لگائی گئی ہیں جو اوپر بیان ہوئیں۔

اسلام کے خلاف پورا کفر ایک ملت ہے:

روس اور امریکہ نے اپنے شدید ترین نظریاتی اور سیاسی اختلافات کے باوجود، ماضی کی طرح اب پھر اسلام دشمنی کیلئے مشترک پالیسی اختیار کر لی ہے، اس بنیادی نزاع کے باوجود کہ روس افغانستان کو اپنے زیر اثر رکھنا چاہتا ہے، اور امریکہ اپنے زیر اثر لانے کیلئے سارے حربے استعمال کر رہا ہے، دونوں اس نکتہ پر متحد ہو گئے ہیں کہ روسی فوجوں کی واپسی کے بعد یہاں مجاہدین کی اسلامی حکومت کو قائم ہونے سے ہر قیمت پر روکا جائے، اور یہاں ایسی حکومت بھی ہرگز قائم نہ ہونے دی جائے جو پاکستان کیلئے کسی بھی درجہ میں تقویت یا اطمینان کا باعث بن سکے۔ اس نکتہ پر نہ صرف امریکہ اور روس، بلکہ بھارت اور تمام مغربی طاقتیں یک جان و یک زبان نظر آ رہی ہیں ـــــ بھارت جو افغان مسئلہ سے پورے ۹ سال غیر متعلق رہا، اس نکتہ پر اب وہ بھی اپنے پورے وسائل کے ساتھ سرگرم عمل ہے۔

اس سمجھوتے کے ذریعہ ایک طرف تو پاکستان یا دیگر اسلامی ممالک سے امداد اور رضا کاروں کے پہنچنے کے تمام راستے روک کر مجاہدین کو تنہا چھوڑ دینے، اور اُن پر عرصۂ حیات تنگ کرنے کی کوشش کی گئی ہے، کیونکہ اُن کو امداد پہنچانے کا پاکستان کی سرزمین کے علاوہ کوئی راستہ نہیں، اور پاکستان کو اپنی سرزمین اس کام کیلئے استعمال کرنے سے روک دیا گیا ہے ـــــ دوسری طرف جس طرح روس بار بار یہ اعلان کر رہا ہے کہ وہ اپنی فوجیں واپس بُلانے کے بعد بھی اپنی کٹھ پتلی کابل انتظامیہ کو ہر قسم کا اسلحہ فراہم کرتا رہے گا۔ امریکہ نے بھی یہ منافقانہ اعلان کیا ہے کہ موجودہ کابل انتظامیہ کے خاتمے تک وہ مجاہدین کو امداد دیتا رہے گا، (کس راستے سے دے گا؟ یہ ظاہر نہیں کیا گیا۔)

امریکہ کی اِس متضاد "حکمتِ عملی" کا مقصد یہ ہے کہ جسطرح کابل انتظامیہ کُلّی طور پر رُوس کے رحم وکرم پر ہے، مجاہدین بھی کلّی طور پر امریکہ کے رحم وکرم پر رہ جائیں، پاکستان اور پورے عالمِ اسلام سے اُن کا رشتہ منقطع ہو کر صرف امریکہ سے باقی رہ جائے، اور امریکہ امداد کیلئے اُن پر اپنی من مانی شرائط مسلّط کر سکے، اس نام نہاد امداد کو وہ مجاہدین میں پھُوٹ ڈالنے کیلئے مؤثر حربے کے طور پر استعمال کرے ـــــ اور جب کابل فتح ہو تو یہاں حکومت مجاہدین کے بجائے ایسے افراد کی قائم کی جائے جو پوری طرح امریکہ کے دست نگر اور وفادار ہوں، یا ظاہر شاہ جیسے حکمران مسلّط کر دیئے جائیں جو مسلم امت کے اتحاد کا راستہ روک کر روس، امریکہ اور بھارت تینوں کو خوش رکھ سکیں ـــــ بہ ظاہر اب امریکہ کی بھی کوشش یہ ہوگی کہ کابُل کی فتح میں دیر لگے، تاکہ اس مدت میں مجاہدین میں پھُوٹ ڈال کر یہاں مطلوبہ افراد سامنے لائے جا سکیں جو بہ قول اُنکے "بنیاد پرست" (پکّے دین دار) نہ ہوں، اور امریکی مفادات کے مطابق کام کر سکیں۔

تفریقِ ملل حکمتِ افرنگ کا مقصود

اسلام کا مقصود فقط ملتِ آدم

اس حکمتِ عملی کا دوسرا مقصد جس میں بھارت اور رُوس پیش پیش ہیں، یہ ہے کہ عین اُس وقت جبکہ فتح بالکل سامنے ہے، افغانستان میں مجاہدین کی مضبوط اسلامی حکومت قائم ہو جانے سے پاکستان کو جو انقلابی نوعیت کے دور رس فوائد حاصل ہوتے نظر آرہے تھے اُن سے پاکستان کو بالکلیہ محروم کر کے اُس کی نو سالہ جدّوجہد اور مثالی قربانیوں پر پانی پھیر دیا جائے، اُس کی مغربی سرحدوں پر نئی سیکولر حکومت قائم کر کے وہی تشویشناک صورتِ حال پیدا کر دی جائے جو جہاد سے پہلے تھی، نام نہاد "پختونستان" کا مسئلہ ـــــ جسے اس جہاد نے دفن کر دیا ہے ـــــ اس گڑے مُردے کو اُکھاڑ کر دوبارہ کھڑا کیا جا سکے ـــــ اور پاکستان پر دباؤ رکھنے کیلئے بوقتِ ضرورت اسے بھی استعمال کیا جا سکے ـــــ جنیوا سمجھوتہ اسلام دشمن طاقتوں کے اس گٹھ جوڑ کا پہلا قدم ہے ـــــ میں اس نام نہاد سمجھوتے کے متن کا بغور اور بار بار مطالعہ کرنے کے بعد، اس کے سوا کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکا کہ یہ سمجھوتہ ـــــ جسکی طولانی دستاویزات کو سفارتی اسلوب و آداب سے بڑی محنت کر کے سجایا گیا ہے ـــــ ایک خوشنما جال ہے، جو صرف مجاہدین اور پاکستان کو پھانسنے کیلئے تیار کیا گیا ہے۔

ہیں کواکب کچھ، نظر آتے ہیں کچھ
دیتے ہیں دھوکا، یہ بازی گر کھلا

اُمّتِ مسلمہ کا موقف:

معتبر ذرائع سے معلوم ہوا کہ شہید صدرِ پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق صاحب کو —— جن کی مؤمنانہ ومدبرانہ رہنمائی اور بھرپور حمایت جہادِ افغانستان کو شروع سے حاصل رہی —— سمجھوتے کی اس صورتحال سے شدید اختلاف تھا، اُنہوں نے جونیجو حکومت کو اس سے باز رکھنے کیلئے آخر تک کوشش کی، اُن کا موقف وہی تھا جو پوری امتِ مسلمہ کا تھا کہ روسی فوجیں اب اس حالت کو پہنچ چکی ہیں کہ اُن کو افغانستان سے راہِ فرار اختیار کرنے کیلئے کسی سمجھوتے یا بہانے کا انتظار نہیں رہا۔ مجاہدین کی فتح سامنے نظر آرہی ہے، اِن حالات میں کابُل کی کمیونسٹ انتظامیہ سے سمجھوتہ کرنا —— جبکہ چند شہروں اور چھاؤنیوں کے علاوہ پورے ملک میں اُس کا کوئی وجود نہیں —— "اپنے پاؤں کلہاڑی مارنے" کے سوا کچھ نہیں۔ اگر عالمی طاقتوں کو سمجھوتے پر اصرار ہے تو وہ اس پر ہونا چاہیئے کہ روسی فوجوں کی واپسی کے ساتھ ہی کابل کی موجودہ انتظامیہ کو ختم کرکے مجاہدین کی عبوری حکومت قائم کردی جائے، جو افغانستان میں جلد از جلد انتخابات کراکے وہاں باضابطہ نمائندہ حکومت قائم کرسکے۔ افغانستان میں امن قائم ہونے کا صرف یہی ایک راستہ ہے، ورنہ مجاہدین مکمل فتح تک جہاد جاری رکھنے کا اعلان کرچکے ہیں۔ ادھر روس مہلک ترین اسلحہ کابُل انتظامیہ کو دیتا رہے گا، جس کا حاصل یہ ہے کہ جنگ جاری رہے گی —— سمجھوتہ امن قائم کرنے کیلئے ہوا کرتا ہے جس کا کوئی راستہ اس سمجھوتے میں تجویز نہیں کیا گیا۔

عالمی طاقتوں کا دباؤ:

یہ صحیح ہے کہ اس سمجھوتے کیلئے پاکستان پر عالمی طاقتوں کا دباؤ بہت زیادہ تھا، امریکی دباؤ کے ساتھ ساتھ روسی دباؤ بھی بڑھتا جارہا تھا۔ سمجھوتے پر دستخط ہونے سے صرف ۴ روز قبل ۱۰ اپریل ۱۹۸۸ء کو راولپنڈی اوجڑی کیمپ آرڈی ننس ڈپو میں اچانک دھماکوں، اور وہاں سے نکل کر اُڑنے والے بموں، راکٹوں اور میزائلوں سے راولپنڈی اور اسلام آباد کے جڑواں شہروں پر قیامتِ صغریٰ ٹوٹ چکی تھی، اور عام اندازہ یہ ہے کہ یہ روس کے تربیت یافتہ تخریب کاروں کی کارروائی

تھی، لیکن اس طرح کے صبر آزما حالات قوموں کی زندگی میں آیا ہی کرتے ہیں، اور ایسے ہی حالات میں قومی قیادت کے بھی عزم و حوصلے، عقل و دانش، دیانت و اخلاص اور قوتِ فیصلہ کی آزمائش ہوتی ہے افسوس کہ اُس وقت کی "منتخب جمہوری حکومت" قومی زندگی کے اس نازک موڑ پر ثابت قدم نہ رہ سکی، اور شہید صدرِ مرحوم ـــــ جن پر "آمریت" کی پھبتی کسی جاتی ہے ـــــ اُن سے اسلام دشمن طاقتیں جس طرح کا قومی ضمیر کے خلاف فیصلہ ۹ سال میں نہ کرا سکی تھیں اِن طاقتوں نے وہ فیصلہ "منتخب جمہوری حکومت" سے ایک جھٹکے میں کرا لیا۔

یورپ کی غلامی پہ رضامند ہوا تو
مجھ کو تو گلہ تجھ سے ہے یورپ سے نہیں ہے

عام تاثر یہ ہے کہ سمجھوتے کے ڈیڑھ ماہ بعد ۲۹ مئی ۱۹۸۸ء کو ـــــ جبکہ اس سمجھوتے کے نافذ العمل ہونے میں ۱۷ دن باقی تھے ـــــ صدرِ مرحوم نے قومی و صوبائی اسمبلیاں توڑ کر جونیجو حکومت کو برطرف کرنے کا جو سخت اِقدام کیا، اس کا ایک بڑا سبب اس سمجھوتے پر دستخط کرنا بھی تھا۔

آزادی کا ہر لحظہ پیامِ ابدیت
محکوم کا ہر لحظہ نئی مرگِ مفاجات

ایک طرف جہادِ افغانستان کو سبوتاژ کرنے کیلئے عالمی سطح پر یہ تیاریاں ہو رہی تھیں، دُوسری طرف مجاہدین اِن حالات سے باخبر ہونے کے باوجود، محض اللہ تعالےٰ کے بھروسہ پر "فتح یا شہادت" کی خاردار شاہراہ پر تیز گام پیشقدمی کر رہے تھے۔ ۱۵ مئی ۱۹۸۸ء سے رُوسی فوجوں کی افغانستان سے پسپائی شروع ہونے کے ساتھ ہی کمیونسٹ کابلی افواج بھی اپنے مورچوں، چوکیوں اور چھاونیوں کو چھوڑ چھوڑ کر کابل اور دوسرے شہروں کو بھاگنے لگیں، جو مسلمان فوجی اَب تک کمیونسٹوں کے جبر و استبداد سے خلاصی نہ پا سکے تھے، اُن کی بھی بہت بڑی تعداد موقع پاکر مجاہدین سے آملی اور اس تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا گیا، اخبارات میں یہ خبریں روز کا معمول بن گئیں کہ آج فلاں فلاں چوکیوں سے کمیونسٹ فوج راتوں رات فرار ہوگئی، اور فلاں فلاں علاقے کو مجاہدین نے فتح کر لیا ہے۔ کابل اور جلال آباد جیسے اہم شہروں پر بھی مجاہدین کا دباؤ بڑھتا چلا گیا۔

محاذ سے میرا جسم تو واپس آگیا تھا، مگر دل و دماغ وہیں لگے ہوئے تھے، تازہ ترین حال معلوم کرنے کیلئے شب و روز بے تابی رہنے لگی، مختلف محاذوں سے آنے والے مجاہدین سے ملاقاتیں ہی

سکون و اطمینان کا ذریعہ تھیں، جو اس زمانے میں کثرت سے ہوتی رہیں، اور یہ حضرات اللہ تعالیٰ کی غیبی نصرت و حمایت کے جن حیرتناک واقعات کا مشاہدہ کر رہے تھے، اُن کو سُن سُن کر ایمان تازہ ہوتا رہا۔ وللہ الحمد۔

عجیب و غریب سفید پرندے — مجاہدین کا ریڈار:

یہ مجاہدین جو دُنیا کی ظالم ترین سپر طاقت سے نبرد آزما ہیں، ان کے پاس ابتک بھی کوئی ایسا آلہ یا ریڈار وغیرہ نہیں ہے، جس سے انہیں دُشمن کے ہوائی حملوں کی پیشگی اطلاع مل سکے، اس بے سرو سامانی میں اِن پر شروع میں بار بار اچانک حملے ہوتے رہے، جن سے بچاؤ کا وہ پہلے سے کوئی انتظام نہ کر سکتے تھے۔

میں نے متعدد مجاہدین سے سُنا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت کا یہ غیبی انتظام فرمایا جو بہت سے مواقع پر مشاہدے میں آیا —— کہ دشمن کے ہوائی حملے سے چند منٹ پہلے عجیب و غریب سفید پرندے —— جو افغانستان میں پہلے کبھی نہیں دیکھے گئے —— اُنکے غول کے غول مجاہدین کے مرکز پر آکر بیٹھ جاتے اور بے تحاشا شور مچاتے، یا مرکز کے اوپر فضا ہی میں شور کرتے ہوئے کئی چکر کاٹتے، اور واپس چلے جاتے، اُن کے واپس جاتے ہی دشمن کے طیاروں اور گن شپ ہیلی کاپٹروں کا حملہ ہو جاتا۔ شروع شروع میں مجاہدین کو اِن پرندوں اور دشمن کے ہوائی حملوں میں کوئی جوڑ محسوس نہ ہوا، اور کسی کا بھی دھیان نہ گیا —— لیکن جب یہ واقعات کثرت سے پیش آئے تو رفتہ رفتہ معلوم ہوا کہ یہ تو اللہ ربّ العالمین نے اِن بے سروسامان مجاہدین کی حفاظت کا عجیب و غریب انتظام فرمایا ہے، اور اِن پرندوں کو ریڈار کا نعم البدل بنا رکھا ہے۔ چنانچہ یہ بات مجاہدین میں مشہور ہوگئی، اب وہ جب بھی اِن پرندوں کو اپنے پاس آکر شور کرتا دیکھتے ہیں، فوراً خندقوں اور مورچوں وغیرہ میں چھپ جاتے ہیں، اور دُشمن کا ہوائی حملہ ناکام ہو جاتا ہے۔

جہادِ افغانستان کی یہ عجیب و غریب کرامت —— یاد پڑتا ہے —— مجھے کمانڈر زبیر احمد صاحب نے بھی رمضان ۱۴۰۸ھ کی ملاقات میں بتائی تھی، لیکن اُن سمیت جن حضرات نے یہ واقعات سنائے، مجھے اُن سے یہ پوچھنے کا موقع نہ مل سکا کہ یہ اُن کا چشم دید واقعہ ہے یا دوسروں سے سُنا ہے؟ اس لئے عینی گواہ کی تلاش تھی، اسی دوران مولانا عبدالصمد سیال صاحب سے کثرت سے ملاقاتیں ہوئیں، جو پاکستان کے اُن ۳ اول ترین مجاہدین میں سے ایک ہیں جو برادر ملک افغانستان پر روسی فوجوں کی یورش کی خبر سُنکر ۱۸ فروری ۱۹۸۰ء کو کراچی سے انتہائی بے سروسامانی میں جہاد کیلئے نکل کھڑے ہوئے تھے،

کچھ عرصہ پہلے تک مجاہدین کی تنظیم "حرکۃ الجہاد الاسلامی" کے نائب امیر تھے، اب اس تنظیم کے ماہنامے "الارشاد" (کراچی) کے مدیر ہیں ——— میں نے اُن سے اِن سفید پرندوں کے بارے میں پوچھا تو اُنہوں نے بھی اس کی تصدیق کی، اور اپنے ساتھ گذرا ہوا ایک واقعہ میری درخواست پر سُنایا کہ

"میں نے بھی مولانا ارسلان رحمانی صاحب اور دیگر افغان مجاہدین سے اِن پرندوں کے بارے میں سُن رکھا تھا ——— پھر ۱۹۸۶ء کے رمضان میں جبکہ ہمارا مرکز صوبہ "پکتیکا" میں "ارغون" کے پاس ایک پہاڑی علاقے "خرگوش" میں تھا، ایک صبح کو میں برابر کی پہاڑی پر چڑھا، جو مرکز ہی کی حدود میں تھی، اور اُسکی چوٹی پر بیٹھکر قرآن شریف کی تلاوت میں مشغول ہوگیا ——— ۱۱ بجے کے قریب اچانک کبوتر کی برابر بالکل سفید پرندوں کا ایک غول، جن کی چونچیں سُرخی مائل تھیں ——— شور کرتا ہوا میرے سر کے اوپر سے گذرا، اور ہمارے مرکز کے اوپر چکر لگانے لگا، یہ پرندے بے تحاشا شور مچا رہے تھے، اچانک مجھے افغان مجاہدین کی بات یاد آئی ——— میں فوراً اُتر کر پہاڑی کے دامن میں ایک چٹان کی آڑ میں لیٹ گیا۔ اُدھر مرکز کے باقی مجاہدین بھی اپنے خیموں اور کمروں سے نکل کر کھائیوں، چٹانوں کی آڑ، کھدے ہوئے مورچوں اور خندقوں وغیرہ میں چھپ گئے ——— وہ پرندے جب ہمارے مرکز کا دُوسرا چکر ختم کر رہے تھے تو دشمن طیاروں کی آوازیں آنے لگیں، پل بھر میں ۴ جیٹ طیارے ہمارے سروں پر آگئے، اور تقریباً ۲۰ منٹ تک بمباری کرتے رہے، لیکن مرکز خالی تھا، سارے مجاہدین پناہ گاہوں میں چھپ چکے تھے ——— اللہ تعالیٰ کے فضل سے کسی مجاہد کا بال بیکا نہیں ہوا، مرکز کو بھی کوئی نقصان نہیں پہنچا، کیونکہ کوئی بم بھی مرکز پر نہیں گرا، سارے بم اِدھر اُدھر پھٹ کر ضائع ہوگئے ——— وللہ الحمد۔

فضائے بدر پیدا کر، فرشتے تیری نُصرت کو
اُتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

ترتیب : حضرت مولانا مفتی عبدالحکیم صاحب سکھروی

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک تقریر جو ۱۳۸۵ھ میں سکھر کی جامع مسجد میں خطابِ جمعہ کے دوران حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی تھی ۔ اس تقریر کو جامعہ اشرفیہ کے شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی عبدالحکیم صاحبؒ نے قلمبند فرمایا تھا ۔ اب حضرت مولانا مفتی عبدالحکیم صاحب بھی دنیا سے تشریف لے جا چکے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ دونوں بزرگوں کے درجات بلند فرمائیں ۔ آمین ۔ (۴ رمضان المبارک ۱۳۸۵ھ بروز جمعہ)

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم (خطبہ ماثورہ) فقال اللہ تبارک وتعالیٰ : وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ، الی نعم المولیٰ ونعم النصیر :۔

آج میرے لئے چند خوشیاں جمع ہوگئی ہیں اول یہ کہ تقریباً بارہ سال قبل اس جامع مسجد کا سنگ بنیاد رکھا گیا تھا اور اب میں اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے بڑی شاندار مسجد کو دیکھ رہا ہوں اور پوری مسجد الحمدللہ نمازیوں سے بھری ہوئی ہے ۔ اور دراصل مسجد کی آبادی نمازیوں ہی سے ہوتی ہے مسجد بھی ہو اور نمازی بھی ہوں اصل تعمیر یہی ہے ۔ دوسری نعمت یہ ہے کہ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم اور سنت مبارکہ کی جھلک اللہ جل شانہٗ نے عنایت فرمائی ۔ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ سے ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لائے ہیں تو سب سے پہلا انتظام آپ نے مسجد ہی کا فرمایا ۔ مسجد تعمیر فرمائی اور دوسرے سال رمضان المبارک کے مہینے میں جہاد کا آغاز فرمایا ۔ جسے جنگ بدر کہا جاتا ہے ۔ تو پہلے تعمیر مسجد ہوئی اس کے بعد دفاعی جہاد ۔ یہی

حسن ترتیب اللہ تعالیٰ نے اس مسجد کو بھی بخشی کہ پہلے یہ مسجد تعمیر ہوئی اس کے بعد مسجد بنانے والوں کو جہاد کی توفیق ہوئی۔ جو ۶ ستمبر ۱۹۶۵ء کو بھارت کے جواب میں ہوا۔

تاریخ اسلام ایسے واقعات سے لبریز ہے کہ جہاں بھی مسلمانوں نے فتوحات کی ہیں۔ فتح پا لینے کے بعد سب سے پہلا کام یہ کیا کہ جماعت کا انتظام کرنے کیلئے مساجد تعمیر کرائیں۔ اقامتِ صلوٰۃ اسلام کی اساس اور بڑا ستون ہے۔ جس طرح کوئی تعمیر ستونوں پر قائم ہوتی ہے اسی طرح دین اسلام کا نماز بڑا عظیم الشان ستون ہے۔

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب مصر فتح کیا تو ان کی مسجد آج تک وہاں موجود ہے۔ اسی طرح ملک شام فتح ہوا تو وہاں جو فتح کے بعد مسجد تعمیر ہوئی وہ آج بھی موجود ہے۔ غرض جس جگہ لشکر گیا شہر ہو گاؤں ہو حتیٰ کہ جنگل میں اگر قیام کرنا پڑا تو وہاں بھی مسجد تعمیر کی۔ محمد بن قاسمؒ نے سب سے پہلا بڑا حملہ سندھ میں دیبل پر کیا۔ عربی مؤرخین اس کو دیبل ہی لکھتے ہیں لیکن اس کی تعین میں اختلاف ہے کہ اب وہ کونسی جگہ ہے۔ کسی نے کہا منوہڑہ کا مقام ہے کسی نے ٹھٹھہ کو کہا لیکن جدید محکمۂ آثار سے معلوم ہوا کہ وہ کراچی سے دور ایک جگہ ہے وہ جگہ دیبل ہے وہاں راجہ داہر کا ایک دبا ہوا قلعہ بھی نکلا ہے اور ایک جامع مسجد کے آثار بھی نکل رہے ہیں۔ اس دیبل کا حضرت محمد بن قاسمؒ نے محاصرہ کیا ہوا تھا۔ محاصرے کے بعد بڑی بہادری سے تین دن کی لڑائی کے بعد وہاں امن قائم ہو گیا تو سب سے پہلا کام یہ کیا گیا کہ ایک جامع مسجد کی بنیاد رکھی گئی اور چار ہزار گھر مسلمانوں کے یہاں آباد ہوئے (بلاذری ص ۴۳۷)

محمد بن قاسم بارہ ہزار کا لشکر لے کر یہاں آئے جس میں چھ ہزار عراقی تھے اور چھ ہزار دیگر مجاہدین تھے۔ محاصرے کے بعد قبیلہ مراد کا ایک سپاہی جو کوفہ کا رہنے والا تھا سب سے پہلے فصیل پر چڑھ کر اس نے اسلامی جھنڈا نصب کر دیا۔ اور اللہ اکبر کی پر رعب آواز سے مسلمانوں کو اپنی کامیابی کا خیال دلایا پھر تو مسلمان ہر طرف سے پہنچ گئے اور شہر میں داخل ہو گئے۔ یہ اللہ کا نام ایسا ہے کہ جب مسلمان اس کا نام لے کر اللہ تعالیٰ کے نام کو اونچا کرنے کے لئے آگے بڑھتا ہے تو کامیابی اس کے قدم چوم لیتی ہے۔

اس سے آگے بڑھ کر برہمن آباد کے شہر پر حملہ کیا برہمن آباد دوسری صدی میں آکر مٹ گیا اس کا جائے وقوع اب معلوم نہیں البتہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ روہڑی اور حیدر آباد کے درمیان میں کسی جگہ تھا بہر حال یہ بھی فتح ہو گیا اور مجاہدین کی تعداد تیس ہزار ہو گئی۔ سوچنا یہ ہے کہ شروع میں بارہ ہزار فوج تھی اب یہ اٹھارہ اور کہاں سے بڑھ گئے کوئی خاص کمک نہیں ہوئی ظاہر ہے کہ یہ اسلام کی حقانیت کی دلیل تھی کہ اس قلیل عرصے میں اٹھارہ ہزار افراد مسلمان بلکہ غازی

بن گئے۔ حدیث شریف میں ہے۔

لن یّغلب اثنا عشر الفاً من قلّۃٍ۔

(مسلمانوں کا لشکر اگر بارہ ہزار ہو تو وہ قلت کی بنا پر کبھی مغلوب نہ ہوگا)

اصل ہتھیار صلاح و تقوی وللّٰہیت کا ہے جب افواج میں صلاح و تقوی ہوگا تو وہ اتنے ہی کامیاب ہوں گے۔ پہلے افواج میں یہی تبلیغ ہوتی تھی اور ان کو صلاح و تقوی کا درس دیا جاتا تھا۔ سلطان شہاب الدین غوری کے ۱۲ ہزار لشکر میں حضرت امام رازی رحمۃ اللہ علیہ صاحب تفسیر کبیر تھے۔ فوجیوں کی روحانی غذا اور ان کی تربیت کے لئے انتخاب کیا گیا کہ حضرت امام فخر الدین رازی رح کو رکھا جائے چنانچہ آپ قرآن شریف کا درس دیتے تھے تو یہ بارہ ہزار کا لشکر جیسے فوجی مشق کرتا ہوگا اسی طرح وہ روحانی عشق بھی کرتا ہوگا جب ایسا لشکر اور بارہ ہزار ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کی تائید غیبی اس کے ساتھ ہوتی ہے وہاں فلم یا ناچ گانا نہیں ہوتا تھا یہ تو غضب الٰہی کو دعوت دینے والی چیزیں ہیں۔

اس تقوی و صلاح کی بات تھی کہ جب مسلمان اس زیور سے مزین تھے تو ان پر غیر مسلم بھی پورا اعتماد کرتے تھے جس وقت برہمن آباد فتح ہوا تو شہر والوں نے دروازے بند کر لئے تھے آخر محاصرہ سے تنگ آکر انہوں نے محمد بن قاسم رح کو ایک خط لکھا کہ ہم لوگ امن چاہتے ہیں۔ ہم آپ سے نہیں لڑیں گے۔ باقی آپ جانیں، راجہ داہر جانے۔ چنانچہ اس امن کو منظور کر لیا تو صرف خط پر منظوری دیدی - پھر ان کافروں کو اتنا اعتبار تھا کہ انہوں نے شہر کے دروازے کھولدیئے اور خود اسی طرح باقاعدہ کاروبار میں مشغول تھے فوج شہر کے اندر داخل ہو رہی ہے اور دکاندار اپنی دکان پر بیٹھا ہوا ہے مزدور اپنی مزدوری کر رہا ہے نہ خوف ہے نہ ہراس ہے کیونکہ مسلمان کی زبان کا اعتبار تھا۔ ایسی نظیر کوئی دوسری قوم میں دکھا سکتا ہے۔ محمد بن قاسم نے بھی اسی جگہ آکر پہلے مسجد تعمیر کی۔

مومن کو اللہ تعالیٰ پر اعتماد اور بھروسہ ہونا چاہیئے۔ مومن کے پاس یہ بڑی عظیم الشان طاقت ہے اتفاق و اتحاد اور خدا پر بھروسہ۔ اگر روحانی طاقت پیدا ہو جائے تو سلامتی کونسل بھی ایک طرف رہے مرد مومن کو کوئی نہیں روک سکتا۔

میں نے یہ آیت تلاوت کی تھی - وَجَاهِدُوا فِي اللهِ حَقَّ جِهَادِهِ اللہ تعالیٰ کی راہ میں پورا پورا جہاد کرو۔ فی اللہ کی قید بتلا رہی ہے کہ مسلمان کی جنگ اللہ واسطے ہوتی ہے دنیاوی اغراض سے مومن کی جنگ بالا ہوتی ہے۔ مومن ملک گیری، دولت حشمت یا وطن کے لئے نہیں لڑتا ہے اس کی تو صرف اللہ واسطے کی لڑائی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند ہو۔ اللہ تعالیٰ کے قوانین جاری ہوں۔ اسلام فروغ پائے۔ جہاں اسلام کا جھنڈا سربلند ہو وہی ہمارا وطن ہے

دنیادار وطن کے لئے لڑتے ہیں۔ ہم مادر وطن کے پجاری نہیں۔ جہاد وہی ہے جو اللہ کے لئے ہو اس کی رضا مقصود ہو۔ ورنہ اس لڑائی کا نام فساد اور خونریزی ہے جب اعلاء کلمۃ اللہ ہماری نظر سے اوجھل ہو جائے تو وہ جہاد کی برکتیں بھی نہیں ہوتیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اسکندریہ جو ایک نہایت خوبصورت اور تجارتی شہر تھا اس کے فتح کرنے کے لئے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو امیر لشکر بنا کر بھیجا۔ انہوں نے اسکندریہ کا محاصرہ کیا۔ برابر ایک ڈیڑھ ماہ تک محاصرہ رہا۔ لیکن فتح کی کوئی صورت نہ ہوئی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ناراض ہوئے کہ کیا وجہ ہے کہ اب تک فتح کی خبر نہیں آئی۔ اللہ کے لئے جہاد ہو۔ اور دیر ہو جائے یہ کیسے ہوا! کوئی نہ کوئی اس کا سبب ضرور پیدا ہوا ہے۔ دنیاوی جنگوں کو برسوں لگ جاتے ہیں لیکن اس لئے کوئی نہ کوئی خامی ایسی ہے کہ دیر ہوگئی ہے ان حضرات کو اللہ تعالیٰ کی نصرت پر اتنا یقین ہوتا تھا کہ مومن کامل اور فرمانبردار مطیع ہو تو اتنی دیر نصرت الٰہی میں نہیں ہو سکتی۔ اس کا وعدہ سچا ہے۔ اس لئے حضرت فاروق اعظم رضؓ نے ایک خط لکھا کہ فتح کے دیر ہونے سے میں نے اندازہ لگایا ہے کہ تم لوگوں کو شاید وہاں کی دولت وحشمت اور وہاں کے محلات تمہاری نظروں میں آ گئے ہیں اور لالچ تمہارے دلوں میں پیدا ہو گیا ہے اس نے تمہارے دل میں وہن اور سستی پیدا کر دی ہے۔ اسی وجہ سے معلوم ہوتا ہے کہ فتح میں دیر ہوگئی ہے لہذا اب جو جمعہ آ رہا ہے اس میں تم سب ملکر اپنی نیتوں اور خیالات کی تجدید کرو۔ اور محض رضائے الٰہی کے لئے جہاد کی نیت خالص کرو اور چند بڑے درجے کے صحابہ کرام رضؓ کو لشکر کے آگے کرو اور ایک بارگی حملہ کرو۔ چنانچہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ خط سب کو سنایا اور پھر سب نے نیتوں کی تجدید کی۔ توبہ کی اور اللہ کا نام لے کر آگے بڑھے تو اسی دن غروب آفتاب نہ ہونے پایا تھا۔ کہ اللہ نے اسکندریہ کو فتح کرا دیا۔

اصل طاقت مومن میں صلاح و تقوی کی ہے اگر اس ہتھیار سے مومن پیراستہ ہو تو اللہ تعالیٰ کی تائید ہوتی ہے اس لئے قرآن کریم میں فرمایا فی اللہ۔ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے لئے تیار رکھو۔

اس کے بعد فرمایا "حق جہادہ" پوری طرح جہاد کرو۔ جتنی تم میں کسی قسم کی طاقت ہے خرچ کر ڈالو۔ اللہ کے راستے میں ہمت نہ ہارو۔ جہاد کا حق ادا کرو۔

اس کے بعد بعض افکار ہمارے اندر ایسے پھیلائے گئے ہیں جو دراصل بھارت کی طرف سے آئے ہیں اور بھارت ریڈیو سے وہ نشر بھی کئے گئے ہیں۔ خود بھارت کا یہ رویہ رہا کہ پاکستان ریڈیو سننے تک کی ممانعت ہی نہیں بلکہ سننے والے پر چھ ماہ قید کی سزا بھی لگا دی۔ وہ یہ جانتا تھا کہ پاکستان میں ہندوؤں کی بات کون سنے گا۔ اس لئے اس نے چند علماء کے نام لے کر بیانات

شائع کئے ۔ سوال توان علماء کو جن کے نام لئے گئے یہاں کون جانتا ہے ۔ انہوں کا یہ کہنا کہ پاکستان کے علماء کا نعرہ جہاد صحیح نہیں ۔ جبکہ چھ کروڑ مسلمان بھارت میں آباد ہیں یہاں لال قلعہ ہے شاہجہاں کی جامع مسجد ہے ۔ کافروں پر جہاد ہوا کرتا ہے ۔ صرف دو کروڑ کا فرق ہے بھارت میں چھ کروڑ مسلمان ہیں اور پاکستان میں آٹھ کروڑ ہیں ۔ پھر نائب صدر یہاں مسلمان ہے اس قسم کے بیانات سب فریب ہیں ۔

خوب یاد رکھئے دارالاسلام پر حملہ کرنا حرام ہے ۔ خواہ وہاں کافر بھی بستے ہوں اور دارالکفر پر حملہ کرنا واجب ہے خواہ وہاں مسلمان ہی کیوں نہ بستے ہوں ۔

دارالاسلام کی تعریف یہ ہے کہ جہاں مسلمان برسر اقتدار ہوں اور اسلام پر عمل کرنے میں آزاد ہوں ۔ کوئی رکاوٹ ان کو نہ ہو ۔ وہاں خلافت راشدہ کے احکام جاری کر سکیں ۔ لیکن اگر بدبختی کی وجہ سے دیر ہو جائے ۔ لیکن تمام مسلمان ملکر اگر چاہیں تو جاری کر سکیں تو وہ دارالاسلام ہی رہے گا یہ مسلمانوں کی بدبختی کہی جا سکتی ہے کہ مسلمان اپنے اسلام کے قوانین کو ٹالتے رہیں جس طرح مسجد وہ تو ہمیشہ مسجد ہی رہے گی اگر وہاں کوئی نماز نہ پڑھے تو مسلمانوں کے اس میں نماز نہ پڑھنے سے مسجد کے حکم سے وہ نہیں نکل سکتی یوں کہیں گے کہ مسلمانوں کی بدبختی ہے کہ مسجد میں عبادت نہیں کرتے ۔

بھارت میں مسلمان اگرچہ ۶ کروڑ ہیں مگر مغلوب ہیں اپنے مال و آبرو و جان کی حفاظت بھی نہیں کر سکتے آئے دن ہندو حملہ کر دیتے ہیں ۔ بھارت کو دارالاسلام کیسے کہا جا سکتا ہے بھارت جھوٹ بولتا ہے ۔ جو اہل علم سے پوشیدہ نہیں ہے اور اگر ان کی یہ منطق مان بھی لی جائے کہ جہاں ۶ کروڑ مسلمان آباد ہوں وہ بھی دارالکفر نہیں ہو سکتا ۔ دیکھئے جب محمد بن قاسمؒ نے سندھ کو فتح کیا اور اسلام کے قوانین جاری کئے تو اس حصے کو دارالاسلام کہیں گے ۔ حالانکہ ہندوں کی آبادی زیادہ تھی لیکن اقتدار مسلمانوں کے پاس تھا جہاں تک اقتدار مسلمانوں کا تھا وہ دارالاسلام تھا باقی تمام ہندوستان دارکفر ہی رہا ۔ تو دار کا تعلق مسلمان یا ہندوؤں کے بسنے پر نہیں ہے بلکہ اقتدار پر ہے ۔

مکہ معظمہ میں بھی ابتدا میں مسلمان بھی آباد تھے ۔ لیکن اس وقت وہ دارالاسلام نہیں تھا ورنہ ہجرت کیوں کرتے اور پھر جہاد کیسے کیا جا سکتا تھا ۔ اسی طرح حبشہ میں اگر کچھ مسلمان جا کر بس گئے تھے تو کیا وہ دارالاسلام ہو گیا تھا ؟ حالانکہ مکہ معظمہ میں تو بیت اللہ بھی تھا لیکن پھر بھی فتح مکہ اور جہاد کیا گیا ۔

خداوند تعالےٰ ان بھارت کے مسلمانوں کی جان مال آبرو کی حفاظت فرمائے میں ان کے لئے دعا کرتا ہوں لیکن وہ ہے دارالکفر ہی ۔ مسلمانوں کے بسے رہنے سے دارالاسلام نہیں ہو سکتا ہے جہاد اس لئے ہوتا ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند کریں ۔ عدل قائم کریں ۔ ظلم کو مٹائیں ۔ او

جو رکاوٹیں اس درمیان میں حائل ہوں ان کو دور کریں ۔ اور جب کسی جگہ بھی ہمارے مسلمانوں بھائیوں پر ظلم ہوتا ہو ہمارا فرض ہے کہ ہم ان کی امداد کریں ۔

جب کافروں کا کوئی سالشکر ہمارے ملک پر حملہ کردے تو سب پر جہاد فرض عین ہوجاتا ہے اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت جہاد عطا فرمائی ہے ۔ مسئلہ کشمیر انہوں نے چھیڑا تھا ۔ لہذا ان کی امداد کرنا ہمارا فرض ہے ۔" یقولون ربنا اخرجنا من ھذہ القریۃ الظالم اھلھا " کا مضمون سامنے ہے لہذا ان ظالموں سے بچانا فرض ہے ۔

لہذا مسلمانوں کی امداد کرنا اور دارالاسلام کی حفاظت کیلئے اور کشمیری مظلوموں کو ظلم سے چھڑانا یہ تین باتیں ہیں جن کی بنا پر ہم پر جہاد فرض ہوجاتا ہے ۔

پاکستان کیساتھ اللہ تعالیٰ کا عجیب معاملہ ہے اول تو اس کا بننا ہی عجیب بات ہے پھر اس کا باقی رہنا بھی معجزہ ہی ہے پھر یہ جہاد بھی ایک معجزہ ہے ۔ پہلے اس پاکستان بنانے کے لئے گلی گلی کوچے کوچے چیختے پھرتے تھے کہ پاکستان لیں گے وہاں قرآن و اسلام کا قانون ہوگا لا الہ الا اللہ پڑھ کر اللہ کا نام لے کر اعلان کرتے تھے ۔ جب اللہ کا نام اور لا الہ الا اللہ پڑھ کر بڑھے اللہ پاک نے پاکستان بنادیا ۔ جب بن گیا تو اس کے باقی رہنے کا احتمال نہ تھا ۔ دفتروں میں کاغذ پنسل تک نہ تھیں ۔ فوجیں سب ملک سے باہر تھیں ۔ نہ خزانہ تھا نہ تنخواہ دینے کی طاقت تھی اور حوادثات ایسے پیش آئے کہ آنے والا یہی کہتا تھا کہ صرف ایمان اور جان بچ جائے اور پاکستان آتے تھے تو اس طرح کہ کافر سب کچھ چھین لیتے تھے مال لانے نہ دیتے تھے سکھوں نے قتل عام کر رکھا تھا ۔ مشرقی پاکستان پر حملہ ہوجاتا وہ بھی اس وقت اس کی ٹکر کا نہ تھا لیکن یہ اللہ پاک کی کریمی ہے کہ اس نے اسی پاکستان کو ایک مضبوط قلعہ بنادیا ۔

سو پاکستان اللہ کا نام لے کر بنا ہے ۔ لا الہ الا اللہ کہکر اور دارالاسلام کہکر بنا ہے اور یہی کہکر اس کو لیا گیا ہے ۔

لیکن ہم نے اس نعمت کا شکر نہ ادا کیا ۔ یہاں آکر اس اللہ اور لا الہ الا اللہ کو بھول گئے ایسی ظلمتوں میں پھنس گئے ۔ اگر ہم اندازہ کریں جو معاصی قوم عاد و ثمود اور معذب قوموں کے تھے ان سے کم نہیں رہیں گے ۔ ان پر ان ہی کرتوتوں سے عذاب ہی آیا ۔ کسی پر پتھر برسائے گئے کسی بستی پر آگ برسی اور کسی قوم پر آندھی کا عذاب بھیجا گیا ۔ اپنے کرتوتوں پر نظر کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ہم مستحق عذاب ہو چکے تھے ۔ لیکن عذاب کے رکنے کی وجہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود ظاہر ہے ۔ جس کی وجہ سے عذاب نہیں آیا ۔ خدائے پاک نے فرمایا ۔ وما کان اللہ لیعذبھم وانت فیھم ۔ آپ کا وجود مسعود کہ آپ مدینہ منورہ

دنیا ہی میں تشریف فرما ہیں آپ ہی کے طفیل سے ہم بچے ہوئے ہیں۔ یہ اللہ کا بڑا کرم ہے ہم نے ناشکری کی اور بندہ جب ناشکری کرتا ہے۔ اللہ پاک اس کو عذاب دیتے ہیں لیکن اس کا کتنا کرم ہے کہ ہم کو کس طرح محفوظ رکھا۔ دشمن کے جو منصوبے تھے وہ دراصل شکل عذاب کی تھی اللہ پاک نے اس کو ٹال دیا۔ یہ اس کی عنایت و مہربانی ہے مزید اللہ کا یہ انعام ہوا کہ ہم میں بیداری پیدا کر دی۔ آنکھیں کھل گئیں۔ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے آنکھوں سے دیکھ لیا۔ سارے پاکستان کے مسلمانوں کے دل میں الفت ڈال دی۔ سب کا رُخ ایک ہی طرف پھیر دیا۔ جو پاکستان کے خلاف بھی حزب مخالف تھے وہ بھی باہم مل گئے۔ دلوں کا پھیرنا کسی قانون کا کام نہیں ہے صرف ایک اللہ پاک کا کام ہے۔ گلی کوچوں میں دعائیں ہو رہی ہیں۔ بچوں تک میں جوش جہاد ہے۔ عورتیں دعا کر رہی ہیں۔ یہ کسی تلوار کا کسی سیاست کا کام نہیں ہے۔ ایک سیاسی ٹکڑیوں میں پھنسی ہوئی قوم ساری ایک دھاگے میں بندھ جائے یہ صرف اللہ کی تائید غیبی ہے۔ اور جہاد کی بدولت ہے۔ اعمال درست کر لئے۔ معاصی راگ باجے بند کر دئے۔ نمازی بڑھ گئے مساجد نمازیوں سے پر ہو گئیں خوف و ہراس بالکل نہ رہا۔ مہنگائی نہ ہوئی۔ ہر شخص اپنی زندگی کو درست کرنے کی فکر میں ہے یہ اللہ کا بڑا انعام ہے اس کو اب جانے نہ دینا چاہیئے ہر شخص کو نماز پڑھنی چاہیئے بداعمالیاں چھوڑ دینی چاہئیں اور کبھی اپنی اصلاح سے غافل نہ رہنا چاہیئے۔ مغربیت کی لعنت کو اتار پھینکنا چاہیئے۔ اگر مسلمان بن کر زندہ رہنا ہے تو اسلام کی پوری تابعداری کریں ممکن ہے اور کوئی اس قسم کا جھٹکا باقی ہو تو اللہ پاک ہم پر کرم فرمائے۔ ہمیں صرف اللہ پاک پر بھروسہ رکھنا چاہیئے۔ تقویٰ اختیار کرنے کا وقت ہے۔ حکومت کو بھی رعایا کو بھی سب کو اس کوشش میں لگ جانا چاہیئے کہ دین پر قائم ہو جائیں اور ہم نے کیا کیا سب اللہ پاک کا ہی کام ہے۔ دشمن چڑھ آیا۔ جہاد ہم پر مسلط ہوا۔ توجہ الی اللہ ہو گئی۔ پھر اتحاد و الفت پیدا کی۔ پھر فرشتوں کی امداد فرمائی۔ اب ان ہی چیزوں کو ساتھ لے کر آگے بڑھو۔ واعلموا ان اللہ مع المتقین۔ اللہ کا وعدہ ہے اور اللہ کا وعدہ صرف رجسٹری مسلمان ہونے پر نہیں۔ حقیقی مسلمان ہونا چاہیئے۔

ہمارے سامنے سلطنت مغلیہ کی تاریخ دور نہیں ہے جب وہ عیش و عشرت میں آ گئے تو کس طرح برباد ہو گئے حالانکہ وہ مسلمان تھے لیکن وہ تاریخ بہت دور نہیں کہ شہزادوں کا سر باپ کے سامنے دسترخواں پر کھانے کے لئے پیش کیا گیا جب اعمال غلط ہو گئے تو تائید نہیں آتی۔ لہٰذا خدا تعالیٰ سے ڈرنا چاہیئے۔ اپنی اصلاح کی فکر کریں۔ بے حیائی، عریانی، بے پردگی۔ فحش لٹریچر۔ مغربی فیشن سے دور رہنا چاہیئے ان کو مٹانے کی ہر ممکن کوشش کریں اور اللہ پاک سے بہت ڈرتے رہنا چاہیئے۔

مسجدوں میں دُنیا کی بات نہ کی جائے

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلّم نے ارشاد فرمایا:۔

"ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ مسجدوں میں لوگوں کی بات چیت اپنے دنیوی معاملات میں ہُوا کرے گی، تمہیں چاہیئے کہ ان لوگوں کے پاس بھی نہ بیٹھو، اللہ کو ان لوگوں سے کوئی سروکار نہیں۔"

(شعب الایمان للبیہقی)

مسجد چونکہ خانہ خدا ہے اس لئے اس کے ادب کا یہ بھی تقاضا ہے کہ اس میں ایسی باتیں نہ کی جائیں جن کا اللہ کی رضا طلبی سے اور دین سے کوئی تعلق نہ ہو۔

بیادِ بزرگان

افادات: حضرت مولانا عبدالشکور ترمذی صاحب مدظلہم
ترتیب: مولانا عبدالقدوس ترمذی

شیخ الطائفہ حضرت اقدس
حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی نور اللہ مرقدہ

المتولد ۱۲۳۳ھ المتوفی ۱۳۱۷ھ

مختصر سوانحی خاکہ

آپ بروز پیر ۲۲ صفر ۱۲۳۳ھ کو نانوتہ میں پیدا ہوئے آپ کا آبائی وطن ضلع مظفرنگر کا مشہور قصبہ تھانہ بھون ہے اور ننہیال نانوتہ میں تھی۔ والد ماجد کا نام حافظ محمد امین اور والدہ کا نام، بی بی حسینی تھا حضرت شاہ محمد اسحٰق صاحب محدّث دہلوی نے امداد حسین سے بدل کر آپ کا نام امداد اللہ رکھا جو زبان زد خاص وعام ہوا۔ تاریخی نام ظفر احمد رکھا گیا۔ حضرت حاجی صاحب کے چار بھائی اور ایک بہن تھی مگر اللہ تعالیٰ نے جو مقام آپ کو عطا فرمایا یہ آپ کا ہی ایک خاص حصہ تھا۔

ایں سعادت بزور بازو نیست — تانہ بخشد خدائے بخشندہ

ہندوستان سے ہجرت کے بعد ۱۲۵۸ھ میں مکہ معظمہ میں قیام کے دوران آپ نے قرآن کریم حفظ فرمایا اس سے قبل آپ فارسی کی کتب اور اس کے علاوہ صرف ونحو کا علم بھی حاصل فرما چکے تھے آپ اگرچہ علوم ظاہری کی تکمیل نہ فرما سکے مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے پاس سے جو علم عطا فرمایا تھا وہ مسلمہ ظاہری سے کہیں بڑھکر تھا۔ حضرت نے تین نکاح فرمائے مگر اولاد کسی سے نہ ہوئی سب سے پہلا حج آپ نے ۱۲۶۱ھ میں فرمایا۔

تصنیف وتالیف میں بھی آپ نے سرگرم حصہ لیا۔ ضیاء القلوب۔ ارشاد مرشد۔ فیصلہ ہفت مسئلہ اور وحدۃ الوجود آپ کے مشہور رسائل ہیں اس کے علاوہ آپ نے فارسی اور اردو نظم میں بھی مختلف رسائل تحریر فرمائے ہیں اس کے علاوہ مثنوی شریف پر بھی آپ نے مختصر مگر جامع حاشیہ لکھا جس کی مدد سے حکیم الامت حضرت تھانوی نے مثنوی کی ضخیم شرح کلید مثنوی کے نام سے تحریر کرائی۔

آپ نے پہلے حضرت شاہ محمد آفاقی صاحب کے خلیفہ حضرت شاہ نصیر الدین دہلوی سے بیعت کی پھر حضرت نور محمد صاحب سے بعد از تکمیل چاروں سلسلوں میں خرقہ خلافت حاصل کیا۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں آپ نے خوب بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور آپ کو امام بنایا گیا لیکن جب یہ تحریک ناکام ہوئی تو آپ ہجرت فرما کر مکہ معظمہ تشریف لے گئے وہاں تقریباً چالیس سال قیام فرمایا اور ہزاروں بندگان خدا کو فیض یاب فرماتے رہے بڑے بڑے متبحر اور نابغہ روزگار علماء کرام آپ سے مستفید ہوئے اور سلسلۂ تصوف و طریقت میں آپ سے تکمیل کے بعد خلافت و اجازت سے نوازے گئے ان میں حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری۔ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کے اسمائے گرامی سرفہرست ہیں۔

۱۲ رجمادی الاُخریٰ ۱۳۱۷ھ کو آپ نے مکہ معظمہ میں وصال فرمایا جنت المعلیٰ میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ صاحب کیرانوی کی آخری آرام گاہ کے ساتھ آپ کو سپرد خاک کیا گیا۔

رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ و اعلی اللہ درجاتہ فی اعلیٰ علیین۔ آمین

ارشادات و ملفوظات

① حضرت حاجی صاحب قدس سرہ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ ہم تو لوگوں کی درخواست پر ان کو محض اس خیال سے بیعت کر لیتے ہیں کہ پیر اور مریدین میں سے جو بھی اللہ تعالیٰ کے نزدیک مرحوم و مقبول ہوگا وہ دوسرے کو بھی اپنے ساتھ جنت میں لے جائے گا۔

② ارشاد فرماتے کہ دنیا میں ہر طرف بدامنی اور فساد ہے جس سے سب پریشان ہیں کسی کو چین اور سکون نہیں اسی لئے تمام حضرات اس بدامنی سے تنگ آکر اتفاق و اتحاد پر زور دیتے ہیں ہر آدمی کہتا ہے کہ اتحاد اور اتفاق ہونا چاہیئے تاکہ یہ بدامنی اور فساد پریشانی ختم ہو جائے اور سب کو سکون اور راحت نصیب ہو۔ فرماتے کہ بھائی بات تو یہ صحیح ہے کہ اس مرض کا اصل علاج اتفاق اور اتحاد ہی ہے لیکن اتفاق و اتحاد کی جڑ تواضع ہے اس کے بغیر اتفاق و اتحاد اور صحیح معنی میں پیار محبت پیدا نہیں ہو سکتا۔ ہمیشہ بدامنی اور فساد تکبر کی وجہ سے ہوتا ہے کیونکہ جب ہر آدمی اپنے کو بڑا سمجھے گا تو وہ دوسرے کی کسی بات کو تسلیم نہیں کرے گا تو اتفاق نہیں پیدا ہو سکے گا اس کے برعکس اگر ہر شخص تواضع اختیار کرے اور اپنے آپ کو دوسرے سے کم تر سمجھے تو یقیناً اس کی بات کو اہمیت دے گا تو اس طرح اختلاف ختم ہو کر اتحاد و اتفاق پیدا ہو جائے گا۔ آج کل مسلمانوں میں اسی چیز کی کمی ہے کہ وہ اتفاق کو پیدا تو کرنا چاہتے ہیں مگر اس کی جو اصل اور جڑ ہے تواضع اس کو اختیار نہیں

کرتے اسی لئے اختلاف ختم نہیں ہو رہا۔

(۳) ایک مرتبہ حضرت اقدس حاجی صاحب قدس سرہٗ اپنے حلقۂ مسترشدین میں اس بات کا تذکرہ فرما رہے تھے کہ بیماری بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے حضرت نے بڑے عارفانہ انداز میں اس بات کی ایسی عجیب شرح فرمائی کہ سامعین بھی متأثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے اور سب کو یہ بات سمجھ میں آگئی کہ واقعۃً بیماری بھی اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہے الغرض سننے والے اس بیان سے خوب بہرہ ور ہوئے اور ان کو اس سے ایک خاص نفع محسوس ہوا۔ حضرت کے اس عارفانہ اور حکیمانہ بیان کے بعد اسی مجلس میں ایک صاحب حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضرت میں بیمار ہوں اور اس کی وجہ سے بڑی پریشانی ہے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے صحت عطا فرمائیں اور اس تکلیف سے نجات دیں۔ اس کی اس درخواست پر سامعین سوچ میں پڑ گئے کہ اب حضرت اس کا کیا جواب دیں گے۔ کیونکہ ابھی تو بیماری کے بارے میں یہ ثابت فرما چکے تھے کہ یہ نعمت ہے اب اس کے ازالہ کے لئے کیسے دعا فرمائیں گے مگر چونکہ حضرت نے فوراً ہی بلا تکلف فرمایا کہ سب حاضرین اس کے لئے دعا کریں اور پھر یہ دعا فرمائی کہ اے اللہ بیشک بیماری بھی تیری ایک نعمت ہے اور صحت بھی لیکن بیماری والی تیری نعمت کو ہم میں برداشت کرنے کی طاقت نہیں لہٰذا اس کو اپنی صحت والی نعمت سے تبدیل فرما دے۔ سبحان اللہ حضرت نے دونوں جانبوں کی کیا عجیب رعایت فرمائی حاضرین بھی اس سے دنگ رہ گئے۔

(۴) حضرت حاجی صاحب کے بارے میں حکیم الامت حضرت تھانوی کا ارشاد ہے کہ حضرت حاجی صاحب کی شان تحقیقی ہر امر میں عجیب و غریب تھی ایک مرتبہ مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی نے واپسی قسطنطنیہ کے بعد حضرت سے کہا کہ سلطان عبدالحمید خان صاحب میں ایسی خوبیاں ہیں اگر آپ کہیں تو ان سے آپ کا تذکرہ کردوں۔ حضرت نے فرمایا کہ غایۃ ما فی الباب اس تذکرہ سے وہ میرے معتقد ہو جائیں گے۔ پھر اس اعتقاد کا کیا نتیجہ ہوگا۔ صرف یہ ہوگا کہ وہ مجھ کو آپ کی طرح بلائیں گے۔ جس کا حاصل یہ ہوگا کہ بیت اللہ سے بعد ہوگا اور بیت السلطان سے قرب۔ مگر اس ارشاد میں ایک دعویٰ اپنے بڑے اور سلطان کے چھوٹے ہونے کا معلوم ہوتا تھا ساتھ ہی کیا اچھا تدارک فرمایا کہ آپ سلطان کو عادل بتلاتے ہیں اور حدیث میں ہے کہ سلطان عادل کی دعا مستجاب ہوتی ہے سو اگر ممکن ہو میرے لئے ان سے دعا کرا دیجئے مگر اس کا یہ طریق تو عرفاً مناسب نہیں کہ ایک فقیر کے لئے سلطان سے دعا کیلئے کہا جائے سو مناسب صورت یہ ہے کہ ان سے میرا اسلام کہہ دیا وہ اس کا جواب دیں گے پس وہی جواب دعا ہو جائے گی۔

(۵) حضرت حاجی صاحب کے ایک معتقد جو اصل میں حضرت حافظ ضامن شہید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مرید تھے اور بہت ہی نیک اور بزرگ تھے ایک مرتبہ حضرت کی خدمت میں بیٹھے ہوئے

تھے اچانک ان کو وسوسہ ہوا کہ نہ معلوم اللہ تعالیٰ کے نزدیک حضرت حافظ کا درجہ زیادہ ہے یا حضرت حاجی صاحب کا حضرت حاجی صاحب نے فوراً ارشاد فرمایا کہ تمہاری خدمت کے واسطے تو سب کافی ہیں جیسے ایک بڑا سقاوہ ہو ایک چھوٹا تو تمہارا گھڑا بھرنے کے واسطے تو وہ بھی کافی ہے اور یہ بھی پھر ایسے فضول خیالات میں کیوں پڑے ہو کہ کون بڑا ہے اور کون چھوٹا۔ حضرت اکثر ایسے موقع پر یہ شعر پڑھتے تھے۔

پیش اہل دل نگاہ دارید دل

تا نباشید از گمان بد خجل

(اللہ والوں کے سامنے اپنے دل کو کنٹرول میں رکھو ایسا نہ ہو کہ تمہیں بدگمانی کی وجہ سے شرمندہ ہونا پڑے)

(۶) ایک مرتبہ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت حاجی صاحب نور اللہ مرقدہٗ کی خدمت میں عرض کیا کہ حضرت میں ملازمت چھوڑنا چاہتا ہوں؟ ارشاد فرمایا کہ مولوی صاحب ابھی تو آپ اس سلسلہ میں سوال کر رہے ہیں اور سوال تردد کی دلیل ہے اور تردد خامی کی دلیل ہے اور خامی کی حالت میں نوکری چھوڑنا مناسب نہیں۔

۷ حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ ارشاد فرماتے ہیں کہ حضرت حاجی صاحب نے جس وقت تھانہ بھون کی مسجد پیروالی میں قیام فرمایا اس وقت یہاں سہ دری نہ تھی کچھ قبریں تھیں کچھ درخت تھے اور اس جگہ ایک بزرگ بیٹھا کرتے تھے۔ جن کا نام حسن علی شاہ صاحب تھا صاحب سماع تھے مگر دنیا دار نہ تھے سچے تھے۔ حضرت جب یہاں تشریف لائے تو انہوں نے اتنا ادب کیا کہ خود اٹھ کر شاہ ولایت صاحب میں چلے گئے حالانکہ حضرت اس وقت جوان تھے اور یہ بوڑھے تھے ان کے چلے جانے کے بعد حضرت یہاں رہنے لگے حضرت میاں جی نور محمد صاحب قدس سرہٗ بھی یہاں تشریف لایا کرتے تھے یہاں ایک خاندان تھا ان کی زمین ضبط ہوگئی تھی۔ اور وہ لوگ کوشش کر رہے تھے حضرت میاں جی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس بھی وہ لوگ دعا کے واسطے حاضر ہوئے تو حضرت میاں جی نے فرمایا کہ میرے حاجی کو بیٹھنے کی تکلیف ہے یہاں ان کے ایک سہ دری بنا دیں دعا کروں گا انہوں نے سہ دری بنانے کا وعدہ کر لیا۔ اور وہ مقدمہ الہ آباد میں جا کر موافق ہوگیا جس کی اطلاع ایک خاص خط سے ہوئی انہوں نے حضرت میاں جی سے تذکرہ کیا تو حضرت نے فرمایا کہ کیا وعدہ بھی یاد ہے انہوں نے کہا کہ حضرت پوری سہ دری بنانے کی تو قوت نہیں آدھی بنا دیں گے۔ حضرت نے فرمایا بہت اچھا آدھی سہی پھر الہ آباد سے باضابطہ حکم آیا کہ تاحیات تو معاف تمہارے بعد پھر ضبط پھر انہوں نے آکر میاں جی سے عرض کیا حضرت نے فرمایا کہ تم ہی نے تو آدھا کیا ہے میں کیا کروں حضرت حاجی صاحب کی برکت ہے جہاں جہاں حضرت کی نسبت تعمیریں بنی ہیں سب محفوظ ہیں اس کے بعد حضرت حکیم الامت تھانوی ارشاد فرماتے ہیں یہاں

تک کہ ہمارے بھائی صاحب نے جب اپنا مکان بنایا۔ جس میں حضرت کا سکونتی قطعہ بھی آ گیا انہوں نے ایک انجنیئر سے نقشہ بنوایا۔ اس نے نہایت آزادی سے نقشہ بنایا تھا مگر حضرت کے سکونتی حصہ کی عمارت ٹوٹنے کی نوبت نہیں آئی۔ سچ ہے۔

اگر گیتی سراسر باد گیرد | چراغ مبتلاں ہرگز نمیرد

(ارواح ثلاثہ)

تھانہ بھون میں خانقاہ امدادیہ کی سہ دری کی تعمیر اور حضرت حسن علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی اس جگہ سے شاہ ولایت صاحب میں تشریف بری کا واقعہ حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ کے ملفوظات اور مواعظ میں کئی مقامات پر نظر سے گذرا اور ہر مرتبہ پڑھ کر اس سے ایک نیا لطف و سرور اور فائدہ حاصل ہوا۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس سے متعلق ضروری حصہ مندرجہ بالا واقعہ کی تکمیل کی غرض سے ذیل میں رقم کر دیا جائے۔

چنانچہ حضرت حسن شاہ صاحب کے متعلق حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ جب انہوں نے حضرت حاجی صاحب کو یہاں قیام کرتے دیکھا تو وہ اپنا بستر لپیٹ کر شاہ ولایت میں جا پڑے اور فرمایا کہ اب شیخ بستی میں کامل آ گیا ہے اس کے سامنے مجھے بستی میں رہنے کی نہیں وہ جنگل میں جا بسے اور وہیں زندگی کے دن پورے کئے۔ واللہ میں اس ادا کا عاشق ہوں افسوس ہمارے اندر اب یہ باتیں نہیں رہیں۔ اسی طرح حضرت شیخ شمس الدین ترک پانی پتی اپنے شیخ علی احمد صابرؒ کے حکم سے پانی پت تشریف لائے اور یہاں قیام کا ارادہ کیا تو پانی پت میں شاہ بوعلی قلندر پہلے سے موجود تھے انہوں نے اپنے ایک مرید کے ہاتھ کٹورے میں پانی بھر کر شیخ شمس الدین کے پاس بھیجا شیخ شمس الدین نے اس پر ایک پھول رکھ کر واپس کر دیا لوگ اس رمز کو نہ سمجھے تو انہوں نے قلندر صاحب سے دریافت کیا کہ یہ کیا بات تھی فرمایا کہ میں نے شیخ شمس الدین سے یہ کہا تھا کہ پانی پت میرے اثر سے بھرا ہوا ہے جیسے یہ کٹورا پانی سے بھرا ہوا ہے اس میں کسی دوسرے کی گنجائش نہیں آپ فضول تشریف لائے تو انہوں نے جواب دیا کہ میں اس طرح رہوں گا جیسے پانی پر پھول رہتا ہے پانی کی جگہ کو نہیں نہیں گھیرتا یعنی میں آپ کے اثر میں تصرف نہیں کروں گا اس کے بعد شاہ بوعلی قلندر بستی چھوڑ کر جنگل کی طرف تشریف لے گئے گویا حضرت شیخ شمس الدین کو اجازت دیدی کہ تم جس طرح چاہو تصرف کرو اب ہماری ضرورت نہیں رہی کیونکہ دوسرا صاحب کمال آ گیا ہے۔ انتھٰی

سہ دری کی تعمیر کا واقعہ بیان فرماتے ہوئے حضرت حکیم الامتؒ ایک دوسری جگہ ارشاد فرماتے ہیں غدر کے زمانہ میں اس سہ دری میں بھی آگ لگا دی گئی تھی اس حجرہ کا در اور کواڑ یہ اب تک جلے ہوئے کا اثر ہے یہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ ہی کے ہیں لوگوں نے مجھ سے کہا بھی کہ ان کو بھی

نکلوا دو میں نے کہا کہ نا بھائی اس کو میں نہ نکلواؤں گا اور یہ اس خیال سے کہ ان کو حضرت حاجی صاحب کا ہاتھ بھی لگا ہوگا اور کبھی اس چوکھٹ کو سر بھی لگا ہوگا کبھی کبھی حجرہ میں آتے جاتے میرا بھی سر لگ جاتا ہے ہاں چھت اس حجرہ کی بالکل ہی جل چکی تھی اس کو بدل وا دیا گیا ہے اور نئی کڑیاں ڈلوادیں ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ جس جگہ بزرگ رہتے ہیں۔ اس جگہ میں ایک خاص برکت اور نور ہوتا ہے۔ فرمایا میں نے خود حضرت حاجی صاحب کا مقولہ سنا ہے فرمایا کرتے تھے جائے بزرگاں بجائے بزرگاں۔ واقعی برکت ضرور ہوتی ہے فرمایا کہ حضرت مولانا شیخ محمد صاحب رحمۃ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ جب حج کو تشریف لے گئے تھے ان کی جگہ بیٹھ کر ذکر کرتا ہوں تو زیادہ انوار و برکات محسوس ہوتی ہیں اور جگہ میں یہ بات نصیب نہیں ہوتی یہ تو مشاہدہ ہے۔ (ملفوظات ص۱۲۸ ج ۱)

(۸) ایک شخص حضرت حاجی صاحب کی خدمت میں روتا ہوا آیا اور عرض کیا کہ حضرت میری بیوی مر رہی ہے دعا کیجئے کہ تندرست ہو جائے حضرت نے ارشاد فرمایا کہ یہ عجیب بات ہے کہ ایک شخص تو قید خانہ سے رہا ہو رہا ہے اور یہ رو رہا ہے کہ وہ کیوں قید خانہ سے رہا ہوتا ہے وہ شخص کہنے لگا کہ حضرت وہ میری روٹی پکاتی تھی حضرت نے فرمایا کہ ہاں بھائی جب تم ماں کے پیٹ میں تھے وہ روٹی پکاتی تمہارے ساتھ آئی تھی۔

حضرت نے نہایت حکیمانہ انداز میں اس کو دنیا کی حقیقت اور خدا تعالیٰ پر توکل کی تعلیم فرمائی کہ ایسے نازک موقع پر اس طرح بات کو سمجھانا ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔

(۹) حضرت حاجی صاحب نے حکیم الامت حضرت تھانوی کو بارہا ارشاد فرمایا کہ میاں اشرف علی ٹھنڈا پیا کرو۔ جب ٹھنڈا پانی پیو گے ہر بن مو سے الحمد للہ نکلے گا اور اگر گرم پانی پیو گے تو زبان تو الحمد للہ کہے گی مگر اندر سے دل نہ ساتھ دے گا۔ پھر ارشاد فرمایا کہ جس طرح ٹھنڈا پانی نعمت ہے اسی طرح پیاس بھی نعمت ہے کیونکہ اس سے ٹھنڈے پانی والی نعمت کی قدر ہوتی ہے۔

(۱۰) نواب محمود صاحب رئیس چھتاری کو حضرت حاجی صاحب نے تحریر فرمایا تھا کہ اگر آپ مکہ مکرمہ میں بہ نیت قیام آنا چاہتے ہیں تو یہاں رہ کر اپنے لئے صرف اتنی رقم منگانے کا انتظام کریں جو آپ کے خرچ کے لئے کافی ہو تقسیم کے لئے زر رقم ساتھ لانا نہ وہاں سے منگانے کا انتظام کرنا کہ قیدیوں کو ایسے جھگڑے میں پڑنا مضر ہے اتویا کے لئے یہ تعلقات مضر نہیں نواب صاحب چونکہ حضرت کے نزدیک قیدیوں میں شامل تھے اس لئے انہی کے فائدہ کو مدنظر رکھ کر حضرت نے ان کو یہ مشورہ دیا۔

(۱۱) حضرت مولانا گنگوہی فرماتے تھے کہ حضرت حاجی صاحب کا یہ مصرع کہ جوانی گئی زندگانی گئی۔ سن کر جوانی میں ہم کو خیال ہوتا تھا کہ جوانی کے جانے سے زندگی کیوں جاتی رہتی ہے آخر بڑھاپے میں بھی تو زندگی رہتی ہے مگر بڑھاپا آنے کے بعد مشاہدہ ہوگیا کہ حضرت نے سچ فرمایا تھا۔ جوانی گئی زندگانی گئی۔ اب

اب کسی کام کو جی نہیں چاہتا بس یوں جی چاہتا ہے کہ ہر وقت پلنگ پر لیٹے رہو۔ پورا شعر یوں ہے۔

دریغا کہ عمر جوانی گئی ۔۔۔ جوانی گئی زندگانی گئی

(۱۲) مولوی منظور احمد صاحب بنگالی مدینہ طیبہ میں رہتے تھے مگر ہر سال حج کیا کرتے تھے اور پھر حج کے بعد مدینہ طیبہ واپس چلے جاتے تھے۔ حضرت حاجی صاحب نے ان کو دیکھ کر ایک بار یہ شعر پڑھا۔

زہے سعادت آں بندہ کہ کرد نزول ۔۔۔ گہے بہ بیت خدا و گہے بہ بیت رسول

(یعنی اس بندہ کے لئے کتنی سعادت ہے کہ کبھی خدا کے گھر میں حاضر ہوتا ہے کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں)

(۱۳) حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اعمال قرآنی کے نام سے تین حصوں میں ایک رسالہ تصنیف فرمایا ہے۔ جس میں قرآن کی آیات کے فوائد اور ان کے ذریعے سے جسمانی روحانی امراض سے شفا حاصل کرنے کا طریقہ بیان فرمایا تاکہ مسلمانوں کو ضرورت کے وقت غیر شرعی طریقہ علاج اختیار نہ کرنا پڑے اس رسالہ کے آخر میں فائدہ تامہ کے عنوان سے حضرت تحریر فرماتے ہیں۔

احقر کو حضرت مرشدی و سیدی حضرت حاجی امداد اللہ صاحب نے ارشاد فرمایا تھا کہ اگر کوئی حاجت مند تعویذ وغیرہ لینے آوے تو انکار مت کیا کرو جو خیال میں آوے لکھ کر دے دیا کرو۔ چنانچہ احقر کا معمول ہے کہ اس حاجت کے مطابق کوئی آیت قرآنی یا اسم الٰہی سوچکر لکھ دیتا ہے اور بفضلہ تعالیٰ اس میں برکت ہوتی ہے۔ چنانچہ ایک بیوی کی مانگ باوجود کوشش بار بار کے سیدھی نہ نکلتی تھی احقر نے کہدیا "اھدنا الصراط المستقیم" پڑھکر مانگ نکال لو۔ چنانچہ ان کا پڑھنا تھا مانگ بے تکلف سیدھی نکل آئی احقر نے یہ حکایت اس لئے عرض کی ہے کہ اور طالب بھی اس معمول کو اختیار کرے تو امید نفع کی ہے۔ انتہیٰ۔

(۱۴) حضرت حاجی صاحب کا ارشاد ہے کہ زندگی تو مکہ مکرمہ کی بہتر ہے کہ ایک کے ایک لاکھ بنتے ہیں اور مدینہ کی بہتر ہے کہ محشر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ ہوگا اور شفاعت کی قوی امید اس کا لازمی اثر ہے۔ حضرت حاجی صاحب نے احادیث مختلفہ کی اس تقریر سے کیسی عمدہ تطبیق فرمادی ہے۔ فللہ درہ

(۱۵) مکہ معظمہ میں حضرت کی ایک غیر مقلد عالم سے گفتگو ہوگئی ان غیر مقلد عالم کا موقف یہ تھا کہ مدینہ شریف کا سفر قصداً اس نیت سے کرنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار مبارک کی زیارت کروں گا مناسب نہیں۔ حضرت نے ان کی تمام باتوں کا مدلل جواب دیا آخر میں وہ غیر مقلد عالم کہنے لگے کہ خیر مسجد نبوی کی زیارت کا قصد کرے۔ اور روضہ مبارک کی زیارت کا قصد نہ کرے حضرت نے ان کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ آپ کی عقل بھی عجیب ہے کہ جس کی فضیلت بالذات ہے اس کا تو قصد نہ کرے اور جس کی فضیلت بالعرض ہے اس کا قصد کرے انہوں نے کہا کہ یہ واجب فرض تو ہے نہیں کہ

جس کا اس قدر اہتمام کیا جائے حضرت نے فرمایا کہ بے شک فتویٰ کی رو سے تو واجب نہیں مگر بطریق عشق تو واجب ہے۔ اس گفتگو کے آخر میں حضرت نے ان سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ہدایت کریں وہ کہنے لگے اللہ مجھے اس کی ہدایت نہ کرے (العیاذ باللہ) حضرت حکیم الامت تھانوی ارشاد فرماتے ہیں اتفاقی بات ہے کہ اس روز بیت الحرام میں حکومت کی طرف سے غیر مقلدوں کی پکڑ دھکڑ شروع تھی یہ حضرت بھی پکڑے گئے ان سے بھی توبہ کرائی گئی اور کہا گیا کہ توبہ اس پر معلق ہے کہ مدینہ کا سفر کریں تو انہوں نے بھی اقرار کیا اور مدینہ شریف گئے۔

(۱۶) ایک مرتبہ حضرت حاجی صاحب نے ارشاد فرمایا کہ اگر حق تعالیٰ پوچھیں گے کہ امداد اللہ کیا لائے ہو تو میں عرض کروں گا کہ مولانا رشید احمد گنگوھی اور مولانا قاسم نانوتوی کو لایا ہوں۔ سبحان اللہ ان دونوں پر کس قدر حضرت کو اعتماد تھا اس بابرکت ارشاد سے حضرت کی نگاہ میں ان دونوں کی قدر و منزلت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

(۱۷) حضرت کو جب کوئی مشورہ دیتا تو ہر آدمی کے مشورہ پر فرمادیتے اچھا جیسی مرضی چاہے وہ مشورہ حضرت کی رائے کے موافق ہوتا یا خلاف حضرت کسی مشیر کی دل شکنی نہ فرماتے تھے ہر ایک کے جواب میں یہی فرمادیتے جیسی مرضی ہے۔

حضرت حاجی صاحبؒ حضرت میاں جی نور محمد صاحبؒ کے اکابر خلفاء اور مریدین میں سے ہیں حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کرنے کا واقعہ بھی بڑا عجیب ہے جس کو تفصیل کیساتھ حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے بیان فرمایا اس کا معلوم کرنا بھی دلچسپی اور فائدہ سے خالی نہیں ہے ذیل میں اس کو حضرت ہی کے الفاظ میں نقل کیا جاتا ہے چنانچہ حضرت تھانویؒ ارشاد فرماتے ہیں حافظ محمد ضامن صاحب اور ہمارے حاجی صاحب میں یہ معاہدہ قرار پایا تھا کہ جہاں ایک صاحب بیعت ہوں دوسرے کو خبر کردیں وہ بھی انہی بزرگ سے بیعت ہوں گے پھر حضرت حاجی صاحب لوہاری جاکر میاں جی صاحب سے بیعت ہوگئے اور حافظ صاحب سے تذکرہ کرنا بھول گئے جب حافظ صاحب نے دیکھا کہ یہ بار بار لوہاری جاتے ہیں۔ تو دریافت کیا کہ آپ بار بار لوہاری کیوں جاتے ہیں فرمایا میں ایک بزرگ سے بیعت ہوگیا ہوں فرمایا ہم سے تو معاہدہ ٹھہرا تھا کہ دونوں ایک جگہ بیعت ہوں گے ہم سے تذکرہ کیوں نہیں کیا حاجی صاحب نے فرمایا اب چلے چلو جب آپ لوہاری پہنچے میاں جی نے دریافت کیا کہ حافظ کیسے آئے عرض کیا حضرت بیعت کے ارادہ سے آیا ہوں فرمایا میں تو بزرگ نہیں ہوں ایک میاں جی ہوں بچوں کو پڑھاتا ہوں کسی بزرگ سے بیعت ہونا چاہیئے حافظ صاحب نے کہا میں نے تو اپنا ارادہ عرض کردیا آگے آپ کو اختیار ہے اس کے بعد حافظ صاحب ہمیشہ لوہاری آتے جاتے رہے اور بیعت کیلئے پھر عرض نہیں کیا آخر میاں جی نے ایک بار خود ہی فرمایا کہ حافظ صاحب کیا اب بھی وہی خیال ہے۔ حافظ

صاحب نے عرض کیا کہ حضرت میں تو دل سے بیعت ہوچکا ہوں کیونکہ بیعت اعتقاد ہی ہے باقی بزرگوں پر اصرار کرنا بے ادبی ہے اس لئے صورت بیعت پر میں نے اصرار نہیں کیا بس اپنے اعتقاد اور انقیاد کو کافی سمجھا پھر خود ہی شیخ نے بیعت کے لئے فرمایا تو صورت بیعت بھی نصیب ہوگئی مگر جیسے حافظ صاحب کو شیخ نے دیر سے بیعت کیا تھا ایسے وہ بھی بہت دیر میں بیعت کرتے تھے انہوں نے اپنے مریدوں سے کسر نکالی چنانچہ عمر بھر میں آٹھ سے زیادہ آپ کے مرید نہیں میں تو کہا کرتا ہوں آپ نے حاملان عرش کی تعداد پوری کردی کیونکہ وہ بھی آٹھ ہیں اور حضرت حاجی صاحب جلدی بیعت کیا کرتے تھے کیونکہ آپ کو میاں جی صاحب نے فوراً بیعت کرلیا تھا۔

حضرت حاجی صاحب پہلے شاہ نصیر الدین صاحب سے بیعت ہوئے تھے پھر تکمیل سے پہلے ان کا وصال ہوگیا اور شاہ سلیمان سے بھی کبھی کبھی بیعت کا ارادہ ہوتا تھا کیونکہ وہ اس وقت مشہور تھے اسی عرصہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ——— کو یا اپنے مشائخ میں سے کسی کو (الشک منی) خواب میں دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک بزرگ ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حاجی صاحب کا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دے کر فرمایا کہ یہ تمہارے شیخ ہیں حاجی صاحب خواب سے بیدار ہوئے تو بڑے پریشان تھے کہ یا اللہ کون بزرگ ہیں اور کہاں رہتے ہیں ۔ کیونکہ خواب میں پتہ کچھ نہیں بتلایا تھا۔ آخر ایک دن کسی سے میاں جی صاحب کا تذکرہ سنا تو قلب میں میاں جی صاحب کی طرف سے ایک خاص کشش پائی معلوم ہوا کہ وہ یہاں سے قریب ہی لوہاری رہتے ہیں تو حضرت نے زیارت کا ارادہ کیا اب حالت یہ تھی کہ جوں جوں لوہاری کے قریب بڑھتے جاتے ہیں اسی قدر دل میں کشش بڑھتی چلی جاتی ہے جب لوہاری پہونچے اور میاں جی کی صورت دیکھی تو بعینہ وہی صورت تھی اب تو حاجی صاحب کی اور ہی حالت ہوئی قریب جاکر سلام عرض کیا تو میاں جی صاحب نے دریافت فرمایا کہ صاحبزادے کیسے آنا ہوا۔ بس حاجی صاحب پر گریہ طاری ہوا اور جوش میں آکر عرض کیا۔ کیا حضرت کو معلوم نہیں ہے (نہ معلوم اس وقت حاجی صاحب پر کیا حالت تھی) اس کے جواب میں میاں جی صاحب نے ارشاد فرمایا صاحبزادے خواب و خیال کا کیا اعتبار اور اس میں خواب کی طرف اشارہ تھا اب تو حاجی صاحب کو اور بھی یقین ہوگیا اور زیادہ گریہ طاری ہوگیا اب میاں جی صاحب نے تسلی فرمائی کہ میاں گھبراؤ نہیں جو تم چاہتے ہو، ہوجائے گا چنانچہ فوراً بیعت فرمالیا۔ حضرت حاجی صاحب پر یہی اثر غالب تھا کہ طالب کو پریشان نہیں کرتے تھے مگر دونوں صاحبوں کی نیت بخیر تھی حاجی صاحب کی نیت وسعت رحمت پر تھی اس لئے فیض کو عام کر رکھا تھا اور حافظ کی نظر اس پر تھی کہ سلسلہ کی بے قدری نہیں کرنی چاہئے بلکہ اچھی طرح طلب کا امتحان کرنے کے بعد بیعت کرنا چاہئے۔ (علاج المرض)

اور

برصغیر کے قومی و ملی اور مذہبی و سیاسی اجلاس

قسط نمبر ۱

علامہ سید سلیمان ندوی مرحوم و مغفور اپنے دور کے اردو زبان کے سب سے بڑے مصنف اور مقرر تھے اور سید صاحب کے علمی تبحر، وسعت مطالعہ ذوق تحقیق اور فضل و کمال کے تمام مکاتب فکر علماء، دانشور، ادیب اور سیاسی زعماء معترف تھے سید صاحب کے تعلقات کا دائرہ بہت وسیع تھا اور ان تعلقات کی بناپر برصغیر کی سیاسی، غیر سیاسی، علمی و ادبی اور مذہبی انجمنیں اپنے اجلاسوں میں سید صاحب مرحوم کو شرکت کی دعوت دیتی تھیں۔ سید صاحب اپنے ذوق کے مطابق ان اجلاسوں میں شرکت کرتے تھے اور اپنے ذوق کے مطابق ہی اجلاس کی کاروائی میں حصہ لیتے تھے۔ آپ نے کئی ایک قومی و ملی مذہبی اور سیاسی اجلاسوں کی صدارت کی اور ان میں علمی و تحقیقی خطبہ ہائے صدارت ارشاد فرمائے۔ کئی ایک اجلاسوں میں علمی تحقیقی اور تاریخی مقالات پڑھے۔ کئی ایک اجلاسوں میں فی البدیہہ تقریریں کیں۔ سید صاحب میں ایک خوبی یہ تھی اجلاس میں شرکت کے بعد معارف میں ایک جامع تبصرہ فرماتے۔ اور مفید مشورے دیتے۔ سید صاحب نے برصغیر کے جن اجلاسوں میں شرکت کی۔ ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ اس مقالہ میں آپ کے ۵۲ اجلاسوں کی تفصیل دی جارہی ہے۔ جن میں آپ نے شرکت کی۔ مقالات پڑھے خطبہ ہائے صدارت ارشاد فرمائے ان اجلاسوں کی کل تفصیل بہ ترتیب سن عیسوی دی جارہی ہے۔

عبدالرشید عراقی

(۱) اجلاس ندوۃ العلماء پٹنہ ۱۸۹۹ء

اس میں سید صاحب اپنے والد حکیم ابوالحسن ؒ ۱۳۲۰ھ کے ہمراہ شریک ہوئے اور یہی تاریخی اجلاس سید صاحب کو ندوۃ میں داخلہ لینے کا متحرک ہوا۔ سید صاحب لکھتے ہیں۔

ندوہ کے اس اجلاس نے مجھے اتنا متاثر کیا کہ میں اٹھ کر لکھنو پہنچا اور ندوہ میں داخل ہو گیا۔

(معارف جولائی ۱۹۵۰ء)

(۲) اجلاس ندوۃ العلماء دہلی ۱۹۱۰ء

۲۶ تا ۲۸ مارچ ۱۹۱۰ء مسیح الملک حکیم اجمل خاںؒ (م ۱۹۲۷ء) کی صدارت میں منعقد ہوا سید صاحب نے اس اجلاس میں مولانا شبلی نعمانیؒ (م ۱۹۱۴ء) کی تحریک پر ندوہ میں ایک عظیم کتب خانہ کی ضرورت کے عنوان سے ایک جامع تقریر کی (حیات شبلی ص ۴۹۹)

(۳) اجلاس مدارس محمڈن کانفرنس بنگلور ۱۹۱۲ء

جولائی ۱۹۱۲ء بنگلور میں یہ کانفرنس ہوئی۔ اس میں سید صاحب نے تعلیم نسواں کے عنوان سے ایک جامع اور علمی تقریر کی۔ (معارف اکتوبر ۱۹۵۵ء)

(۴) اجلاس آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس پونہ ۱۹۱۵ء

۲۹ دسمبر ۱۹۱۵ء شعبۂ اردو کی صدارت کی اور اردو زبان کی اہمیت و تاریخ پر ایک جامع اور علمی خطبہ ارشاد فرمایا۔ یہ خطبہ علمی حلقوں میں بہت پسند کیا گیا اور نقوش سلیمانی میں چھپ چکا ہے۔

(نقوش سلیمانی ص ۱ تا ۷۵)

(۵) اجلاس انجمن علمائے بنگال ۱۹۱۷ء

دسمبر ۱۹۱۷ء میں سید صاحب کی صدارت میں منعقد ہوا۔ آپ نے اپنے خطبۂ صدارت میں بنگال کے مسلمانوں کی تاریخ، اس کی اہمیت اور ان کی موجودہ حیثیت اور ان کی تعلیمی و مذہبی ضروریات پر تفصیل سے روشنی ڈالی۔ (حیات سلیمان ص ۱۲۴)

(۶) اجلاس مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کلکتہ ۱۹۱۷ء

دسمبر ۱۹۱۷ء میں منعقد ہوا۔ سید صاحب نے اس میں ایک مبسوط مقالہ، ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے عہد میں ہندوؤں کی تعلیمی اور علمی ترقی کے عنوان سے پڑھا۔ یہ مقالہ معارف میں جنوری تا دسمبر ۱۹۱۸ء شائع ہوا۔ (مقالات سلیمان ج ۱ ص ۱ تا ۹۸)

(۷) (۸) اجلاس کانگریس اور مسلم لیگ کلکتہ

دسمبر ۱۹۱۷ء میں کلکتہ میں کانگریس اور مسلم لیگ کے اجلاس منعقد ہوئے۔ سید صاحب کو ان دونوں اجلاسوں میں یہ شرف حاصل ہوا۔ کہ ان کی نشست صدر کے ساتھ تھی۔

سیّد صاحب ان اجلاسوں کے بارے میں اپنے ایک خط مجریہ ۱۸ / جنوری ۱۹۱۸ء مقام ۔ مولانا عبدالماجد دریاآبادی (م ۱۹۷۸ء) لکھتے ہیں ۔

دسمبر کے آخری ہفتہ میں کلکتہ میں کیا دیکھا ۔ جوش و خروش، ہجوم و آواز کہیں اس دریا کا جوش و خروش جس کے تہ میں موتی نہیں ۔ ان ہستیوں کا ہجوم جن کے اثبات وجود کے لئے خوردبین کی حاجت ہو ۔ ان آوازوں کا تلاطم جو معانی سے تہی ہو ہر ذرہ کو مدعی انا الشمس اور ہر قطرہ کو قائل انا البحر دیکھا ۔

(سید سلیمان ندوی کے خطوط عبدالماجد دریا آبادی کے نام ، ج ۱ ص ۸۱ مطبوعہ کراچی)

(۹) اجلاس ندوۃ العلماء ناگپور ۱۹۱۸ء

مارچ ۱۹۱۸ء مولانا حبیب الرحمٰن خان شیروانی (م ۱۹۵۰ء) کی صدارت میں منعقد ہوا ۔ سید صاحب اس بارے میں لکھتے ہیں ۔

مسلمانوں کے جوش و خروش اور قوت عمل کا نظارہ صرف ایک ہی تماشا گاہ میں ہوسکتا ہے اور وہ مذہب ہے ۔ اور اسی کے اندر سب کچھ ہے ۔ (معارف، اپریل ۱۹۱۸ء)

(۱۰) اجلاس خلافت میرٹھ ۱۹۲۰ء

دسمبر ۱۹۲۰ء میں سید صاحب کی صدارت میں منعقد ہوا ۔ مسئلہ خلافت پر ایک تاریخی خطبہ صدارت ارشاد فرمایا ۔ مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی (م ۱۹۷۴ء) لکھتے ہیں " خلافت کمیٹی کی تاریخ میں یہ خطبہ یادگار حیثیت رکھتا ہے ۔" (حیات سلیمان ص ۲۲۰)

(۱۱) اجلاس کانگریس ناگپور ۱۹۲۰ء

آخر دسمبر ۱۹۲۰ء ناگپور میں منعقد ہوا ۔ اس اجلاس میں نان کوآپریشن کے ریزولیوشن کی تصدیق کی گئی ۔ سید صاحب نے اس اجلاس میں شرکت کی اور اجلاس کی کارروائی کے بارے میں معارف جنوری ۱۹۲۱ء میں اپنے تاثرات لکھے ۔ (معارف جنوری ۱۹۲۱ء)

(۱۲) اجلاس کانگریس احمد آباد ۱۹۲۱ء

سیّد صاحب نے اس اجلاس میں شرکت کی اور آپ کو کانگریس ورکنگ کمیٹی کا ممبر منتخب کیا گیا ۔ (حیات سلیمان ص ۲۲۲)

(۱۳) (۱۴) اجلاس کانگریس و خلافت کلکتہ ۱۹۲۲ء

۲۳ / نومبر ۱۹۲۲ء کلکتہ میں کانگریس اور خلافت کے اجلاس منعقد ہوئے ۔ سید صاحب نے ان دونوں اجلاسوں میں شرکت کی اور اپنے ذوق کے مطابق ان اجلاسوں کی کارروائیوں میں حصہ

لیا۔ اور مفید مشورے دیئے۔ (حیات سلیمان ص ۲۲۲)

(۱۵) جلسہ تقسیم اسناد مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ۱۹۲۲ء

۲۸ دسمبر ۱۹۲۲ء مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کا جلسہ تقسیم اسناد منعقد ہوا۔ سید صاحب نے اس میں شرکت کی! اس جلسے کے بارے میں لکھتے ہیں۔

دسمبر میں سب سے پہلی دفعہ ہماری قرطبہ اور غرناطہ کی درسگاہوں کو دوبارہ زندہ کرنیوالی مسلم یونیورسٹی کا جلسہ تقسیم اسناد منعقد ہوا۔ سرسید اور محسن الملک کے بعد سے اسٹریچی ہال نے یہ دلفریب منظر نہیں دیکھا تھا۔ (معارف جنوری ۱۹۲۳ء)

(۱۶) اجلاس بہار خلافت کانفرنس ۱۹۲۳ء

ستمبر ۱۹۲۳ء بہار خلافت کانفرنس کی صدارت کی اور خلافت کے موضوع پر ایک جامع علمی اور تاریخی خطبہ ارشاد فرمایا۔ یہ خطبہ ارض حرم کی داستان کے عنوان سے معارف اکتوبر ۱۹۲۳ء میں شائع ہوا۔ (معارف اکتوبر ۱۹۲۳ء)

(۱۷) اجلاس مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علیگڑھ ۱۹۲۳ء

یہ اجلاس صاحبزادہ آفتاب احمد خان (م ۱۹۳۰ء) وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی کی صدارت میں منعقد ہوا۔ سید صاحب نے اس میں شرکت کی! اور جنوری ۱۹۲۴ء کے معارف میں صدر اجلاس کے خطبہ صدارت پر ناقدانہ تبصرہ فرمایا:

سید صاحب لکھتے ہیں!

علی گڑھ کی اسلامی تعلیمی کانفرنس کا خطبہ صدارت نہایت جامع تھا مگر مانع نہ تھا اس کی خاص خوبی یہ تھی کہ وہ علمی تعلیمی، سیاسی مذہبی غرض جس اسٹیج سے بھی اس کو پڑھا جاتا۔ اس کے لئے موزون ہو سکتا تھا۔ حتّٰی کہ اگر سرسید مرحوم کی برسی کے دن بھی اس کو پڑھا جاتا تو اس کی موزونی میں فرق نہ آتا۔ عبدیت دنیابت الٰہی کا فلسفہ جو صاحبزادہ صاحب کا خاص موضوع سخن ہے۔ وہ بھی اس خطبہ میں پوری طرح موجود تھا۔

مصلحت دید من آنست کہ یاراں ہمہ کار
بگذارند و خم طرۂ یارے گیرند
(معارف جنوری ۱۹۲۴ء)

(۱۸) جلسہ تقسیم اسناد جامعہ ملیہ اسلامیہ علیگڑھ ۱۹۲۳ء

۷ فروری ۱۹۲۳ء ڈاکٹر رائے کی صدارت میں جامعہ ملیہ کا جلسہ تقسیم اسناد علیگڑھ میں منعقد ہوا۔ سید صاحب نے اس جلسہ میں شرکت کی!

اس کے متعلق لکھتے ہیں!

، ، فروری ۱۹۲۳ء میں علیگڑھ میں جامعہ ملیہ کا دوسرا سالانہ جلسہ تقسیم اسناد منعقد ہوا۔ ہر صوبہ کے قومی کارکن جلسہ میں شریک تھے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ مشرقی اور مغربی دونوں علوم کے ماہرین پہلو بہ پہلو جلوہ فرما تھے۔ ڈاکٹر پی سی رائے ڈاکٹر ضیا الدین ڈاکٹر محمود، ڈاکٹر انصاری، خواجہ مجید۔ شیخ معظم علی، سید محفوظ علی، سید ہادی حسن، تصدق شیروانی ایک طرف اور مولانا حمید الدین فرہی۔ مفسر نظام القرآن مولانا ابوالکلام آزاد۔ مولانا عبدالماجد بدایونی، مولانا اسلم جیراجپوری، مولانا محمد سورتی، حکیم اجمل خان وغیرہ دوسری طرف، یہ منظر نمایاں کرتا تھا۔ کہ جامعہ کا مقصود مشرق و مغرب۔ دونوں کو یکجا کرتا ہے۔ (حیات سلیمان ص ۲۸۰)

(۱۹) اجلاس مجلس اتحاد دہلی ۱۹۲۴ء

ستمبر ۱۹۲۴ء میں دہلی میں مجلس اتحاد کا اجلاس ہوا۔

سید صاحب نے اس میں ہندو مسلم اتحاد کے موضوع پر ایک جامع تقریر ارشاد فرمائی (معارف اکتوبر ۱۹۲۴ء)

(۲۰) اجلاس ندوۃ العلماء لکھنو ۱۹۲۵ء

۹ تا ۱۱ فروری ۱۹۲۵ء مولانا حبیب الرحمان خان شیروانی (م ۱۹۵۰ء) کی صدارت میں منعقد ہوا۔ سید صاحب نے اس اجلاس میں ندوۃ العلماء میں دارالاقامہ کی تعمیر کے لئے اپیل کی۔ سید صاحب لکھتے ہیں۔

خاکسار کی اپیل رائیگاں نہ گئی۔ لوگوں نے امداد کا وعدہ کیا۔ اور میرے خیال میں یہ سب سے بڑی کامیابی تھی جو اس اجلاس عام میں ہوئی اور میری آواز بے اثر نہ رہی۔

(معارف مارچ ۱۹۲۵ء)

(۲۱) اجلاس ندوۃ العلماء انبالہ ۱۹۲۵ء

نومبر ۱۹۲۵ء میں جامی سر رحیم بخش (م ۱۹۳۵ء) کی صدارت میں منعقد ہوا۔

سید صاحب اس اجلاس کے بارے میں لکھتے ہیں

اجلاس کی سب سے زیادہ دلکش اور مسرت افزا چیز یہ تھی کہ مختلف الخیال علمائے دین اور رہبران ملت کا دوش بدوش اجتماع تھا۔ جس کا منظر یوں بھی اور خصوصاً ان دنوں مسلمان دیکھنے کو ترستے ہیں۔

علماء میں مولانا ثناء اللہ امرتسری، مولانا محمد صاحب جوناگڑھی، مولانا حافظ احمد سعید صاحب ناظم جمعیۃ العلماء مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی، مولانا مفتی عبداللطیف صدر یار جنگ، مولانا حبیب الرحمن خان شیروانی، نواب حسام الملک مولوی سید علی حسن خاں، مولانا عبدالماجد صاحب بی اے دریا آبادی، مولانا ناخدا آبادی مولانا داؤد غزنوی۔ مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی، مولانا قاضی محمد

سلیمان صاحب پٹیالوی۔ مصنف رحمۃ للعالمین، مولوی حاجی سر رحیم بخش صاحب مولانا عبدالرحمٰن نگرامی ندوی، مولانا مسعود علی ندوی، مولانا حاجی حفیظ اللہ مدرس اعلیٰ ناظم ندوہ، مولانا خلیل الرحمٰن سہارنپوری مولانا قاری عبدالسلام عباسی، مولانا عبدالرحیم ریواڑی، سید عطاء اللہ شاہ بخاری، مولوی اکرام اللہ ندوی۔ مولانا شاہ نظام الدین پھلچھوری۔ مولوی عقیل الرحمٰن ندوی سہارنپوری، مولوی فضل قدیر ندوی، مولوی محمد حسن واعظ ندوی، مولوی عبدالغفور ندوی اور خادم العلماء سید سلیمان ندوی اور معززین ڈاکٹر سیف الدین کچلو، منشی سید شمس الدین، آنریبل شیخ عبدالقادر، غازی عبدالرحمٰن۔ منشی احتشام علی رئیس کاکوروی اور دیگر اعیان و اکابر موجود تھے۔ (معارف دسمبر ۱۹۲۵ء)

اس اجلاس میں یہ تجویز پیش کی گئی کہ فرقہ وارانہ نزاع اور مذہبی بحث و مباحثہ سے پرہیز کیا جائے مولانا سید سلیمان ندوی نے اس تجویز کو پیش کیا۔ مولانا خلیل احمد سہارنپوری، مولانا عبدالرحیم ریواڑی مولانا ثناء اللہ امرتسری اور مولانا قاضی محمد سلیمان صاحب نے اس کی تائید کی۔

(حیات سلیمان صفحہ ۹۳)

(جاری)

مولانا محمد عبداللہ میمن صاحب

زندگی میں تقسیم جائیداد

چند وضاحتیں!

محرم کے شمارے میں اپنی زندگی میں ہی اپنی جائیداد کی تقسیم کے موضوع پر جو مضمون شائع ہوا تھا اس میں بعض مسائل میں کچھ اجمال رہ گیا تھا۔ جس کی وجہ سے لوگوں کے ذہنوں میں غلط فہمیاں پیدا ہونے کا اندیشہ ہوا۔ اس لئے ان مسائل کے بارے میں کچھ وضاحت قدرے تفصیل سے کر دینا مناسب ہوگا۔

جیسا کہ عرض کیا گیا تھا زندگی میں تقسیم جائیداد کے وقت برابری کا لحاظ کرنا چاہیے یہ کوئی ایسا حکم نہیں ہے جس کا درجہ فرض یا واجب تک پہنچا ہو۔ بلکہ برابری کرنا مستحب ہے لیکن اگر باپ اپنی اولاد میں کسی کو اتفاقاً یا کسی خاص وجہ سے زیادہ دیدے مثلاً وہ علم دین حاصل کر رہا ہے یا وہ خدمت دین میں لگا ہوا ہے۔ یا وہ والدین کی خدمت زیادہ کرتا ہے۔ یا وہ مالی اعتبار سے دوسری اولاد کے مقابلے میں کم حیثیت ہے تو ان وجوہ کی بناء پر اس کو زیادہ دینے میں کوئی قباحت نہیں۔ بشرطیکہ زیادہ دینے سے باپ کا مقصد دوسری اولاد کو ضرر اور نقصان پہنچانا اور ظلم کرنا یا بغیر کسی وجہ کے ایک اولاد کو دوسری اولاد پر فوقیت دینا نہ ہو اور اگر زیادہ دینے سے باپ کا مقصد دوسری اولاد کو نقصان پہنچانا یا ایک اولاد کو دوسری اولاد پر فوقیت دینا ہو تو باپ کے لئے ایسا کرنا جائز نہیں۔ چنانچہ حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم "تکملۃ فتح الملہم" میں تحریر فرماتے ہیں۔

أن الوالد إن وهب لأحد أبنائه هبةً أكثر من غيره

اتفاقاً، أو بسبب علمه أو عمله أو بدر بالوالدين من غير أن يقصد بذالك إضرار الآخرين ولا الجور عليهم كان جائزاً على قول الجمهور، وهو محمل آثار الشيخين وعبد الرحمن بن عوف رضي الله عنهم أما إذا قصد الوالد الإضرار أو تفضيل أحد الأبناء على غيره بقصد التفضيل من غير داعية مجوزة لذالك فإنه لا يبيحه أحد۔ (ج ۲ ص ۷۱)

اور پھر برابر تقسیم نہ کرنے سے اولاد کے اندر آپس میں حسد بھی پیدا ہو جاتا ہے اور آپس کے تعلقات اچھے ہونے کے بجائے خراب ہونے لگتے ہیں ۔ اور ہر ایک دوسرے کی کاٹ کرنے کی فکر میں لگ جاتا ہے اور پھر بعض اوقات آپس میں لڑائی جھگڑا اور دشمنی تک بھی نوبت پہنچ جاتی ہے، اور پھر یہ لڑائی صرف اولاد کے درمیان محدود نہیں رہتی، بلکہ باپ سے بھی دشمنی ہو جاتی ہے اور باپ سے داروگیر شروع ہو جاتی ہے کہ آپ نے ہم پر دوسرے بھائیوں کو کیوں فوقیت دی؟ ہمارے اندر کیا کمی تھی؟ کیا ہمیں اس کی ضرورت نہیں تھی؟ پہلے کی تمام محبتیں عداوت میں تبدیل ہو جاتی ہیں اور بعض اوقات جائیداد کے حصول کی خاطر باپ کو ٹھکانے لگانے سے بھی گریز نہیں کیا جاتا اس لئے کہ آج کے مادی دور میں مال کی محبت کے مقابلے میں ان مقدس رشتوں کی کوئی وقعت باقی نہیں رہی بلکہ مال کے حصول کے لئے ان رشتوں کو ختم کرنا، اور ان کا تقدس مجروح کرنا آج کے مادی دور کی ترقی یافتہ تہذیب کا طرۂ امتیاز ہے۔ جہاں ہر طرف یہی نعرہ ہے کہ مال بڑھاؤ چاہے وہ کسی بھی ذریعے سے ہو۔ لہٰذا ایسے نازک دور میں کوئی ایسا کام کرنا، جس کے ذریعہ اولاد کے درمیان آپس میں نفرت، حسد اور دشمنی ہو جائے۔ یا وہ اولاد باپ کے ساتھ ظلم و زیادتی اور دشمنی پر اتر آئے کسی طرح بھی مناسب نہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ برابری اور مساوات جائیداد کی پیمائش کے اعتبار سے نہیں ہونی چاہیے۔ بلکہ مالیت کے اعتبار سے ہونی چاہیے، اس لئے کہ جائیداد کی قیمت میں محل وقوع کے لحاظ سے بعض اوقات بہت زیادہ فرق ہو جاتا ہے، چنانچہ بعض اوقات ۱۲۰ گز کے پلاٹ کی مالیت دوسرے علاقے کے ۲۴۰ گز کے پلاٹ کی مالیت کے برابر ہوتی ہے۔ اب اگر باپ ایک بیٹے کو ۱۲۰ گز کا پلاٹ دیدے اور دوسرے کو اسی قیمت میں ۲۴۰ گز کا پلاٹ دلوا دے تو چونکہ مالیت کے اعتبار سے دونوں مساوی ہیں اس لئے ایسی تقسیم میں شرعاً کوئی حرج نہیں۔

اسی طرح اگر باپ کی ملکیت میں مکان بھی ہے اور پلاٹ بھی ہے اب اگر وہ اپنی بعض اولاد کو مکان دیدے اور بعض کو پلاٹ دیدے اور مالیت میں دونوں برابر ہوں تو اس میں بھی

ذلک صریحاً فی کلام الفقهاء. غیر انہ لایبدو خارجاً عن قواعدھم، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

احقر عفا اللہ عنہ عرض کرتا ہے کہ اوپر کی بحث سے ظاہر ہوگیا کہ زندگی میں تقسیم کے وقت جمہور فقہاء کے نزدیک بیٹے اور بیٹی میں مساوات کا لحاظ رکھنا دلیل کے اعتبار سے زیادہ راجح ہے، لیکن میرا خیال یہ ہے کہ یہ مساوات اس وقت ہے جب باپ اپنی اولاد کو کوئی بھی چیز بطور عطیہ اور ہدیہ کے دینا چاہے۔ لیکن اگر کوئی باپ زندگی میں اپنی اولاد کے درمیان اپنی جائیداد اس خیال سے تقسیم کرے تاکہ میرے مرنے کے بعد ان کے درمیان آپس میں لڑائی جھگڑا نہ ہو۔ تو یہ تقسیم فقہی اصطلاح کے اعتبار سے اگرچہ ہدیہ ہے لیکن حقیقت میں وقت سے پہلے میراث کو تقسیم کرنا ہے۔ لہٰذا اس کے لئے میراث کے اصول کے مطابق تقسیم کرنا درست ہے۔ چنانچہ اگر کوئی شخص امام احمد اور امام محمد رحمۃ اللہ علیہم کے قول پر عمل کرتے ہوئے بیٹے کو بیٹی کے مقابلے میں دوگنا دیدے تو بظاہر اس کی گنجائش ہے۔ فقہاء کے کلام میں اگرچہ یہ مسئلہ صراحت کیساتھ نظر سے نہیں گزرا۔ لیکن قواعد فقہیہ سے خارج بھی نہیں ہے، واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم[1]

اگر اولاد میں کوئی بیٹا فاسق وفاجر اور شرابی کبابی ہے اور خیال یہ ہے کہ اگر باپ کی زندگی میں یا مرنے کے بعد اس کے حصہ میں جو مال وجائیداد آئے گی۔ وہ اس کو گناہوں کے کاموں پر صرف کردے گا تو اس صورت میں اس کو جائیداد سے محروم کرنا جائز ہے اس لئے کہ مال وجائیداد اس کے قبضے میں دینا گویا گناہوں کے کاموں پر اس کی معاونت اور امداد کرنی ہوگی۔ اور ظاہر ہے کہ گناہ کرنے پر تعاون اور امداد جائز نہیں۔ البتہ اس کو اتنا مال دینے میں کوئی حرج نہیں۔ جسے وہ اپنے کھانے پینے میں خرچ کر سکے۔ چنانچہ صاحب خلاصۃ الفتاوی تحریر فرماتے ہیں۔

ولو کان ولدہ فاسقاً، فأراد أن یصدف مالہ إلی وجوہ الخیر یحرمہ عن المیراث، ھذا خیر من ترکہ، لأن فیہ اعانۃ علی المعصیۃ و لو کان ولدہ فاسقاً لا یعطی لہ أکثر من قوتہ[2]

(ترجمہ) اگر کسی شخص کا بیٹا فاسق وفاجر ہے، وہ یہ چاہتا ہے کہ اپنے مال کو نیک کاموں پر خرچ کرکے ختم کردے اور بیٹے کو میراث سے محروم کردے اس کے لئے ایسا

---

[1] تکملہ فتح الملہم، جلد ۲ ص ۷۵ [2] صفحہ ۴۰۰ جلد ۴

کوئی حرج نہیں ۔

اسی طرح اگر باپ ایک ہی مکان کے حصے کرکے اپنی اولاد کے درمیان تقسیم کرنا چاہے تو اس میں بھی برابری اور مساوات قیمت اور مالیت کے اعتبار سے کرے ۔ پیمائش کے اعتبار سے نہ کرے ۔ اس لئے کہ ایک ہی پلاٹ کے مختلف حصوں میں مالیت کے اعتبار سے تفاوت ہوتا ہے ۔ مثلاً مکان کا سامنے والا حصہ پیچھے والے حصے کے مقابلے میں زیادہ مالیت کا ہوتا ہے لہٰذا تقسیم کے وقت اس کا خیال رہے کہ تمام اولاد کے درمیان تقسیم ہونے والے حصے مالیت کے اعتبار سے مساوی ہوں ۔ اگرچہ پیمائش کے اعتبار سے مختلف ہوں ۔

اسی طرح تقسیم میں مساوات کے لئے یہ ضروری نہیں کہ باپ تمام اولاد میں جائیداد ہی تقسیم کرے ۔ بلکہ باپ مثلاً ایک بیٹے کو جائیداد دیدے اور دوسرے بیٹے کو اس جائیداد کی مالیت کے برابر نقد روپیہ دیدے اور تیسرے کو اسی مالیت کے برابر دوکان دیدے ، چوتھے کو سونا دیدے یا کوئی اور سامان دیدے تو اس طرح تقسیم کرنا بھی بالکل درست ہے ، البتہ اس کا خیال رہے کہ مالیت سب کی برابر ہو ۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا تھا کہ زندگی میں تقسیم جائیداد کے وقت تمام اولاد میں برابری اور مساوات کا لحاظ رکھنا چاہیے ۔ جیسا کہ جمہور علماء کا مسلک ہے ۔ لیکن اگر کوئی شخص مساوات کرنے کے بجائے میراث کے اصول پر عمل کرتے ہوئے بیٹے کو بیٹی کے مقابلے میں دوگنا دیدے تو اس کی بھی گنجائش ہے ۔ جیسا کہ امام احمد اور امام محمد بن حسن رحمۃ اللہ علیہما کا مسلک ہے ۔ چنانچہ حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم اس مسئلہ کی وضاحت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں ۔

قال العبد الضعيف عفا الله عنه : قد ثبت بما ذكرنا أن مذهب الجمهور فى التسوية بين الذكر والأنثى فى حالة الحياة اقوى وارجح من حيث الدليل، ولكن ربما يخطر بالبال أن هذا فيما قصد فيه الأب العطية والصلة ، وأما إذا أراد الرجل أن يقسم أملاكه فيما بين أولاده فى حياته ـ لئلا يقع بينهم نزاع بعد موته ، فإنه وإن كان هبة فى الاصطلاح الفقهى ولكنه فى الحقيقة والمقصود استعجال لما يكون بعد الموت وحينئذ ينبغى أن يكون سبيله سبيل الميراث ، فلو قسم رجل فى مثل هذه الصورة للذكر مثل حظ الأنثيين ، على قول الإمام أحمد ومحمد بن الحسن رحمهما الله . فالظاهر أن ذلك يسع له ولم أر

کرنا مال چھوڑ کر جانے سے بہتر ہے اس لئے کہ مال چھوڑ کر جانے سے گناہوں کے کاموں پر اس کی معاونت ہو جائے گی۔ البتہ اس بیٹے کو اتنا مال دیدے۔ جسے وہ کھانے پینے میں خرچ کر سکے۔

اسی طرح اولاد میں سے کوئی بیٹا اگر والد کا فرمانبردار نہ ہو۔ بلکہ والد کو ستانے والا اور اس کا نافرمان ہو تو اس کو میراث سے محروم کرنا جائز ہے۔ لیکن محروم کرنے کا یہ طریقہ درست نہیں ہے کہ بیٹے کو زندگی میں "عاق نامہ" لکھ کر دیا اور اخبار میں اس کا اشتہار دیدیا۔ جیسا کہ آجکل مروج ہے بلکہ محروم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ باپ اپنی جائیداد زندگی ہی میں دوسری اولاد میں تقسیم کر کے ان پر قبضہ بھی دیدے اس طرح کرنے سے وہ جائیداد باپ کی ملکیت سے نکل کر اولاد کی ملکیت میں داخل ہو جائے گی اور جس بیٹے کو جائیداد سے محروم کرنا مقصود ہے۔ وہ خود بخود محروم ہو جائے گا۔ البتہ اس صورت میں بھی باپ کے انتقال کے بعد جو سامان باپ کی ملکیت میں ہو گا۔ اس میں وہ بیٹا بھی اپنے شرعی حصے کا حق دار ہو گا، لیکن باپ کو بہر حال اپنی اولاد کے لئے خیر خواہ ہونا چاہیے اور اولاد کو محروم کرنے میں قطعاً جلدی نہیں کرنی چاہیئے۔ ان کی درستگی کے لئے اللہ تعالیٰ سے دُعا کرنی چاہیئے۔ تاہم اگر ہر طرح کی کوشش کے بعد بھی اولاد کا رویہ نہ بدلے تو والدان کو جائیداد سے محروم کر سکتا ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ عام طور پر جو والدین اپنی اولاد کو زندگی ہی میں جائیداد کا مالک بنا دیتے ہیں وہ اس جائیداد کو صرف کاغذات میں اپنی اولاد کی نامزدگی کر دیتے ہیں اور کاغذات ان کے نام ٹرانسفر کرا دیتے ہیں۔ حالانکہ کاغذات میں نام کی منتقلی سے ملکی قانون کے اعتبار سے تو بیٹا اس جائیداد کا مالک بن جائے گا لیکن شرعی قانون کے لحاظ سے وہ جائیداد اس وقت تک باپ کی ملکیت ہی میں رہے گی جب تک باپ اس جائیداد کو اپنے سامان اور اپنے تصرف سے الگ کر کے بیٹے کے قبضے میں نہ دیدے اس لئے کہ زندگی میں بیٹے کو جائیداد کا مالک بنانا ایک ہبہ ہے لہذا ہبہ کے تمام احکام اس پر بھی جاری ہوں گے اور ہبہ کا حکم یہ ہے کہ جب تک ہبہ کرنے والا اس چیز کو اپنے تصرف سے خالی کر کے موہوب لہ کے قبضہ میں نہ دیدے اس وقت تک ہبہ درست نہیں ہوتا۔ لہذا باپ جب تک اس جائیداد کو اپنے تصرف سے خالی کر کے بیٹے کے قبضے میں نہ دیدے۔ وہ جائیداد بدستور باپ کی ملکیت میں رہے گی چنانچہ صاحب در مختار تحریر فرماتے ہیں:

وتتم الهبة بالقبض الكامل ...... والاصل ان الموهوب ان مشغولا بملك الواهب منع تمامها۔

اس کے تحت علامہ شامیؒ لکھتے ہیں۔

ولو وھب دارًا دون ما فیھا من متاعہ لم یجز وإن وھب ما فیھا وسلمہ دونھا جاز (جلد ۵ ص ۶۹۱)

اور ہبہ مکمل قبضے کے بعد پورا ہوتا ہے .... اور ضابطہ یہ ہے کہ اگر وہ چیز ہبہ کرنے والے کے تصرف میں مشغول ہے۔ تو یہ مشغولیت ہبہ کے درست ہونے میں رکاوٹ بنے گی۔

چنانچہ اگر کسی شخص نے مکان ہبہ کر دیا اور اس مکان میں موجود سامان کو ہبہ نہیں کیا تو یہ ہبہ جائز نہیں ہوگا (کیونکہ ہبہ کرنے والے نے اس مکان کو اپنے سامان اور تصرف سے خالی نہیں کیا) ہاں! اگر ہبہ کرنے والا مکان کے ساتھ اس مکان کا سامان بھی اسی شخص کو ہبہ کر دے تو یہ ہبہ درست ہو جائے گا (اس لئے کہ اس صورت میں ہبہ کرنے والے کا تصرف ختم ہو جائے گا)

لہٰذا جب ایک مرتبہ باپ اس مکان کو اپنے تصرف سے فارغ کر کے بیٹے کے قبضے میں دے دے گا تو شرعی لحاظ سے وہ بیٹا اس کا مالک بن جائے گا۔ چاہے اس جائیداد کے کاغذات بیٹے کے نام منتقل ہوئے ہوں یا نہ ہوئے ہوں۔ البتہ بہتر یہ ہے کہ اس قبضے کے ساتھ ساتھ اس کے کاغذات بھی بیٹے کے نام منتقل کرادیں۔ تاکہ ملکی قانون کے لحاظ سے بھی وہی اس کا مالک متصور ہو۔ البتہ بیٹے کو ایک مرتبہ قبضہ دینے کے بعد اگر باپ اسی مکان میں اپنے بیٹے کے ساتھ رہنا چاہے تو رہ سکتے ہیں اس سے بیٹے کی ملکیت پر کوئی اثر نہیں پڑے گا۔

البتہ اگر کوئی بیٹا نابالغ ہے اس کو باپ کسی جائیداد کا مالک بنانا چاہے۔ اس وقت باپ کے لئے یہ ضروری نہیں کہ اس کو اپنے تصرف سے خالی کر کے اس کے حوالے کر دے۔ بلکہ نابالغ ہونے کی وجہ سے وہ والد ہی کی سرپرستی میں ہے اور نابالغ کی طرف سے اس کے سرپرست کا قبضہ بھی کافی ہو جاتا ہے یہاں پہلے سے باپ کا قبضہ موجود ہے اس لئے جس وقت زبانی طور پر باپ اس بیٹے کو مالک بنا دے گا اسی وقت سے وہ بیٹا مالک سمجھا جائے گا۔ اور باپ کا قبضہ بیٹے کا قبضہ متصور ہوگا۔ البتہ اس صورت میں بیٹے کو بتا دینا ضروری ہے کہ یہ اب تمہاری ملکیت ہے۔ اور دوسرے قریبی عزیز واقارب کو اس کی اطلاع کر دینا اور ان کو اس پر گواہ کر دینا بھی بہتر ہے، تاکہ باپ کی موت کے بعد دوسرے وارثین اس ہبہ سے انکار نہ کر دیں۔ چنانچہ صاحب درمختار لکھتے ہیں:

(وھبۃ من لہ ولایۃ علی الطفل فی الجملۃ تتم بالعقد) .... لأن قبض الولی ینوب لہ۔

اگر کوئی شخص ایسے نابالغ بچہ کو کوئی چیز ھدیہ دے جو اس کی سرپرستی میں ہے تو یہ ہبہ صرف ایجاب سے پورا ہو جائے گا۔ (بچے کا اس کو قبول کرنا یا قبضہ کرنا ضروری نہیں ہے) اس لئے کہ سرپرست کا قبضہ بچے ہی کا قبضہ شمار ہوگا۔

اس کے تحت علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

(قوله: بالعقد) أى الإيجاب فقط، كما يشير إليه الشارح، كذا فى الهامش وهذا إذا أعلمه أو أشهد عليه، والإشهاد للتحرز عن الجحود بعد موته والإعلام لازم، لأنه بمنزلة القبض [1] بزازيه۔

یعنی عقد سے مراد ایجاب ہے۔ جیسا کہ شارح نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے اور یہ (صرف عقد سے ہبہ تمام ہو جانا) اس وقت ہے، جب کہ اس بچہ کو اس کی اطلاع دے۔ اور دوسرے لوگوں کو اس پر گواہ بھی بنالے۔ گواہ بنانا تو اس لئے ہے تاکہ دوسرے ______ وارثین اس کی موت کے بعد اس ہبہ سے انکار نہ کرسکیں۔ البتہ بچے کو اطلاع کرنا ضروری ہے اس لئے کہ یہ اطلاع ہی قبضہ کے قائم مقام ہے۔

اسی طرح تقسیم کے وقت اس کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے کہ تمام اولاد کے درمیان جائیداد اس طرح علیحدہ علیحدہ کرکے اور اس کے حصے متعین کرکے دی جائے کہ جائیداد کا کوئی حصہ دو شخصوں کے درمیان مشترک نہ رہے، اس لئے کہ کسی ایسی چیز کو جو تقسیم ہو سکتی ہے۔ مشترک طور پر دو آدمیوں کے درمیان ہبہ کرنا جائز نہیں۔ مثلاً ایک مکان دو بیٹوں کو دیدیا اور کہا کہ یہ تم دونوں کا ہے تم دونوں اس پر قبضہ کرلو۔ اور رہائش اختیار کرلو۔ اس طرح کہنے سے ہبہ درست نہیں ہوگا بلکہ اس مکان یا جائیداد میں دونوں کا حصہ علیحدہ علیحدہ کرکے حدود اربعہ متعین کرکے ان کو بتا دینا اور ان پر قبضہ کرانا ضروری ہے۔ چنانچہ درمختار میں ہے کہ:

(ولو سلمه شائعاً لا يملكه فلا ينفذ تصرفه فيه) اگر ہبہ کرنے والے نے مشترک طور پر وہ چیز موہوب لہ کے قبضہ میں دیدی تو وہ اس کا مالک نہیں بنے گا۔ لہذا اس چیز میں اس کا کسی قسم کا تصرف بھی درست نہیں ہوگا [2]

زندگی تقسیم جائیداد کے وقت اگر بیوی موجود ہو تو اس کو بھی جائیداد میں سے اپنی خوشی کے مطابق جتنا حصہ دینا چاہے دیدیں اور کم از کم میراث کے اصول کے پیش نظر کل جائیداد کا آٹھواں حصہ اس کو دیدینا چاہئے۔ تاکہ شوہر کے انتقال کے بعد وہ بالکل خالی ہاتھ نہ رہے۔ اس لئے کہ اگر زندگی

---

[1] شامی ج ۵ ص ۶۹۴ ۔ [2] شامی ج ۵ ص ۶۹۲۔

میں تمام جائیداد اولاد کے درمیان تقسیم کردی - اور بیوی کو کچھ نہیں دیا - تو یہ بلا وجہ بیوی کو جائیداد سے محروم کرنا ہوگا - جو کسی طرح مناسب نہیں -

جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا کہ زندگی میں تقسیم جائیداد کوئی فرض و واجب نہیں بلکہ ایک ایسا عمل ہے جس کا مقصد موت کے بعد اولاد کے مابین ہونے والے جھگڑوں کو ختم کرنا ہے ——— لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اولاد تقسیم جائیداد کے لئے اپنے ضعیف باپ کے پیچھے پڑ جائے اور اس کو ستانا اور تنگ کرنا شروع کردے تاکہ وہ تقسیم کرنے پر مجبور ہو جائے اس لئے کہ وہ جائیداد فی الحال باپ کی ذاتی ملکیت ہے اور بلا شرکتِ غیرے وہ اپنے کل املاک کا مالک و مختار ہے اور باپ کے مرض موت سے پہلے اس میں کسی کا کوئی حق نہیں - اور والد کی موت سے پہلے اس جائیداد پر اپنا حق ٹھونسنا اور تقسیم کے ذریعہ اس حق کی وصولی کا مطالبہ کرنا کسی طرح بھی جائز نہیں - بلکہ جو اولاد باپ سے حصے کا مطالبہ کرے گی وہ گنہگار ہوگی -

اللہ تعالیٰ ہم سب کو شریعت کے مطابق زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے آمین -

مسافرانِ آخرت:

محمد تقی عثمانی

تقریباً پانچ ماہ ہونے کو ہیں کہ میرے انتہائی شفیق اور محترم استاذ حضرت مولانا امیر الزمان صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ اللہ کو پیارے ہو گئے۔ آزاد کشمیر کے علمی اور دینی حلقوں کیلئے تو مولاناؒ کی ذات کسی تعارف کی محتاج نہیں تھی، پاکستان کے بھی اکثر دینی مدارس میں مولاناؒ اچھی طرح متعارف تھے؛ اور اپنے مخلصانہ دینی جذبے اور مجاہدانہ خیالات کے لئے مشہور و معروف۔ اللہ تعالیٰ نے جہاد فی سبیل اللہ کا جذبہ دل میں کُوٹ کُوٹ کر بھر دیا تھا، اور اسی جذبۂ بیتاب کا نتیجہ تھا کہ وہ پاکستان بننے کے بعد ۱۹۴۸ء کے جہادِ کشمیر میں بنفس نفیس شامل رہے۔ اور جب اس کے بعد حیدرآباد دکن میں انڈیا کی طرف سے پولیس ایکشن ہوا تو وہ ان ہزار ہا رضا کاروں میں شامل ہو گئے جنہوں نے نہتے، اور بے سر و سامان ہونے کے باوجود انڈیا کے ٹینکوں کی مزاحمت کی تھی۔ آزاد کشمیر کے ایک باشندے کا حیدرآباد دکن جا کر اس جدوجہد میں شریک ہونا جہاد کے گرم جوش جذبے کے سوا اور کس چیز کا نتیجہ ہو سکتا ہے؟

سقوطِ حیدرآباد کے بعد مولانا کراچی تشریف لے آئے تھے، اور میرے والد ماجدؒ کے شاگرد ہونے کے ناتے تقریباً روزانہ ہی ان کا ہمارے یہاں آنا جانا رہتا تھا۔ میں اُس وقت بچہ تھا، اور قرآن کریم کی تعلیم کے بعد فارسی، عربی تعلیم کا مسئلہ سامنے تھا۔ لیکن اُس وقت کراچی میں کوئی ایسا دارالعلوم نہیں تھا جہاں یہ مقصد حاصل ہو سکے۔ ہم اس وقت آرام باغ کے قریب رہتے تھے، اور حضرت والد صاحب قدس سرہٗ نے مسجد باب الاسلام میں ایک چھوٹے سے مکتب کی بنیاد رکھی تھی۔ جب مولانا امیر الزمان صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کراچی تشریف لے آئے تو حضرت والد صاحبؒ نے وہاں ابتدائی فارسی عربی کی تعلیم کا آغاز بھی فرما دیا۔ مدرسہ امداد العلوم کے نام سے یہ چھوٹا سا مدرسہ باب الاسلام

کے وضو خانے اور چھت پر کام کر رہا تھا۔

اسی زمانے میں احقر نے حضرت مولانا امیر الزمان صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ سے فارسی کی کچھ کتابیں پڑھیں، مولاناؒ سبق بھی بڑے دلنشین انداز میں پڑھاتے، اور ساتھ ساتھ جہادِ کشمیر اور حیدر آباد دکن کے واقعات بھی سُناتے، اور اسی کا اثر تھا کہ بچپن کے اس عالم میں جہاد کا شوق دل میں پیدا ہوتا چلا گیا، اپنی شامتِ اعمال سے کبھی کسی جہاد میں عملی حصہ لینے کی نوبت تو نہیں آئی، لیکن پانچ وقت کی نمازوں میں یہ دُعا ضرور شامل ہو گئی کہ یا اللہ! جہاد کی زندگی اور شہادت کی موت عطا فرما۔

اسی زمانے (۱۹۵۳ء) میں ملک بھر میں قادیانیوں کے خلاف تحریکِ ختمِ نبوت شروع ہوئی، مولانا امیر الزمان کشمیری صاحبؒ کے مجاہدانہ جذبے نے اس موقع پر یہ رُخ تلاش کر لیا، اور مولاناؒ کراچی کی سطح پر اس تحریک کے رُوحِ رواں بنے رہے۔ اس راہ میں چوٹیں کھائیں، زخمی ہوئے، اور بالآخر جیل چلے گئے۔ اور اس کے بعد "فتنۂ مرزائیت" کے نام سے ردِ قادیانیت پر مفصل کتاب بھی تحریر فرمائی۔

حضرت والد صاحب قدس سرہٗ نے نانک واڑہ میں دار العلوم کراچی کی باقاعدہ بنیاد رکھ دی تو جیل سے رہائی کے بعد مولاناؒ نے دار العلوم میں تدریس کی خدمات انجام دینی شروع کر دیں، اسی زمانے میں مختصر القدوری کا ایک معتد بہ حصہ احقر اور برادرِ مکرم حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہم العالی نے حضرت مولاناؒ ہی سے پڑھا۔

کچھ عرصہ کے بعد مولانا امیر الزمان صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے وطن کشمیر چلے گئے، اور وہاں مدرسہ قاسم العلوم کے نام سے ایک مدرسے کی بنیاد رکھی جو ماشاء اللہ تا حال سرگرمِ عمل ہے۔ کشمیر جانے کے بعد بھی مولاناؒ ہر سال رمضان کراچی میں گذارتے، اور اکثر قیام دار العلوم ہی میں رہتا۔

کشمیر سے بھی خط و کتابت کا سلسلہ رہتا تھا، اور مولاناؒ ملک و ملت سے متعلق مختلف دینی امور میں اپنے مشوروں سے نوازتے رہتے تھے۔ احقر کی کوئی تصنیف یا تحریر منظرِ عام پر آتی تو اس کے بارے میں ہمت افزائی بھی فرماتے، مشورے بھی دیتے، اور مختلف موضوعات پر لکھنے کی طرف متوجہ بھی فرماتے رہتے تھے۔

مولاناؒ اکابر علماء دیوبند کے عاشق تھے، تحریکِ پاکستان کے سلسلے میں علماء کے درمیان اختلافِ رائے پیدا ہوا، لیکن مولاناؒ اس اختلافِ رائے سے بے نیاز اپنے تمام بزرگوں کے

ساتھ یکساں عقیدت و محبت رکھتے، اور اگر کبھی کوئی شخص ان حضرات کے بارے میں کوئی تنقیص جملہ کہدیتا تو مولاناؒ کے جلال و عتاب سے ان کی اس بے لوث اندرونی محبت کا اظہار ہوتا تھا جو اکابر علماء دیوبند کیلئے ان کی رگ و پے میں سرایت کر گئی تھی۔

اللہ تعالیٰ نے مولاناؒ کو صبر و شکر کی تصویر بنایا تھا، وہ اپنی مجاہدانہ زندگی کے دوران بہت سے سخت مصائب سے دوچار ہوئے۔ فقر و فاقہ برداشت کیا، مشقتیں جھیلیں، لیکن ان کے چہرے پر ہمیشہ ایک پُر طمانیت تبسم جلوہ ریز دیکھا۔ دینی جدوجہد کے علاوہ مولاناؒ کی گھریلو زندگی ایک آزمائش سے کم نہ تھی۔ ان کے ایک صاحبزادے کو دودھ پینے ہی کی عمر میں کوئی بیماری لاحق ہوئی اور غالباً غلط علاج کے نتیجے میں بچے کی ذہنی نشو و نما بند ہوگئی، بچے کی جسمانی بڑھوتری بدستور جاری رہی، لیکن ذہنی طور پر وہ دو سال ہی کا بچہ رہا، سنِ بلوغ کو پہنچنے کے بعد بھی اسکی تمام حرکات و سکنات ایک شیر خوار بچے کی مانند تھیں۔ اپنے جگر گوشہ کی یہ ذہنی معذوری مولانا جیسے حساس باپ کے لئے ہر وقت سوہانِ روح تھی، لیکن انہوں نے جس صبر و استقامت کے ساتھ اس المیہ کا سامنا کیا وہ بذاتِ خود ان کی عظمت کی دلیل ہے۔

چند سال پہلے کچھ ظالموں نے فرقہ وارانہ منافرت کی آگ بھڑکا کر ایک مسجد میں مولاناؒ پر حملہ کیا، اور اس طوفانِ بدتمیزی میں ایک لکڑی مولاناؒ کی آنکھ میں اس طرح لگی کہ آنکھ کی بینائی جاتی رہی۔ کشمیر اور راولپنڈی سے لیکر کراچی تک ہر مشہور ہسپتال میں اس کا علاج ہوا، کئی بار آپریشن بھی ہوئے، اور کئی کئی مہینے متواتر مولاناؒ ہسپتال میں داخل رہے، لیکن آنکھ کی وہ تکلیف نہ جانی تھی، نہ گئی۔ بلکہ اس دوران اور متعدد پیچیدگیاں پیدا ہوتی گئیں، ذیابیطس کی تکلیف پہلے سے تھی، بار بار کے آپریشنوں نے کمزور بھی بہت کر دیا۔ یہاں تک کہ بالآخر دل کی تکلیف بھی شروع ہوگئی۔ لیکن امراض و آلام کے اس ہجوم میں بھی انہیں کبھی شکایت کرتے تو کیا، گھبراتے بھی نہیں دیکھا، جب کبھی ملاقات ہوتی احقر کے جواب میں صحت کا مختصر ذکر کرنے کے بعد حسبِ معمول علمی، ذہنی اور اجتماعی موضوعات پر بات شروع کر دیتے، اور سننے والے کو یہ احساس بھی نہ ہونے دیتے کہ وہ کسی شدید تکلیف کا شکار ہیں۔

مولاناؒ سے آخری بار گذشتہ شوال میں مولاناؒ کے بھتیجے مولانا محمد طیب صاحب کے مکان پر ملاقات ہوئی، جہاں وہ بغرضِ علاج مقیم تھے۔ اس مرتبہ آنکھ اور ذیابیطس کے ساتھ شدید اختلاجِ قلب کی شکایت کا اضافہ ہوگیا تھا، لیکن حسبِ معمول چہرے پر تبسم کھیلتا رہا، اور وہ مختلف دینی موضوعات پر گفتگو فرماتے رہے۔

میں کسی سفر پر گیا ہوا تھا۔ واپسی پر یہ جانکاہ خبر ملی کہ بالآخر مولاناؒ جہادِ زندگی میں سرخرو

ہوکر اپنے مالک کے حضور پہنچ گئے، اور ع

عمر بھر کی بے قراری کو قرار آہی گیا

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۝

مولاناؒ کا حادثۂ وفات مئی ۱۹۸۹ء میں پیش آیا، لیکن مجھے اسکی اطلاع کافی عرصہ کے بعد ملی۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے اُمید ہے کہ انشاء اللہ انہوں نے تو دنیا کے اس جھنجھٹ سے نجات پاکر ابدی سکینت کی منزل حاصل کرلی، لیکن اس دُنیا میں اخلاص، جہد و عمل، ملّت کے درد اور صبر و استقامت کے ایسے پیکر کم پیدا ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں جوارِ رحمت میں اپنے مقاماتِ قرب سے نوازیں، اپنی رضائے کاملہ سے سرفراز فرمائیں، اور پسماندگان کو صبرِ جمیل کی توفیق بخشیں۔ آمین۔

نام کتاب: **رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ نماز**

مصنف: مولانا مفتی جمیل احمد صاحب نذیری ۔ سائز: ۲۳ × ۳۶ ۔ صفحات: ۳۹۰

ناشر: ادارہ اسلامیات ۔ انارکلی ۱۹۰ ۔ لاہور قیمت مجلد ۔/۵۴ روپے

جیسا کہ کتاب کے نام سے ظاہر ہے یہ تصنیف مسائل و احکام نماز سے متعلق ہے لیکن فقہی تسلسل کیساتھ احکام کو جمع کرنے کے بجائے یہ کتاب علمی اسلوب پر مشتمل ہے اور ایک خاص ضرورت کے تحت لکھی گئی ہے۔ سبب تالیف کے ضمن میں فاضل مصنف رقم طراز ہیں۔

"اس لحاظ سے یہ کتاب ان تمام کتابوں میں جداگانہ نوعیت کی ہے کہ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ نماز کتب فقہ سے نہیں بیان کیا گیا، بلکہ آیات قرآنیہ اور احادیث صحیحہ سے بیان کیا گیا ہے اور اس دعوے کو مبرہن کیا گیا ہے۔ فقہ حنفی میں جو طریقہ نماز بیان کیا جاتا ہے وہ قرآن و حدیث کے عین مطابق ہے۔"

"اس کتاب کے اصل محرک ہندوستان کے مختلف علاقوں کے ہمارے وہ احباب ہیں جو مخصوص فرقہ کی مسلسل اشتہار بازی اور پروپیگنڈائی ذہنیت سے پریشان ہو اٹھے، تاکہ اللہ کے نیک بندے اشتہار بازی اور غلط پروپیگنڈہ کی حقیقت کو سمجھ سکیں۔"

کتاب میں صلوٰۃ سے متعلق ابواب کا کافی حد تک احاطہ کیا گیا ہے اور اُن مسائل پر خصوصی کلام کیا گیا

ہے جن کے حوالے سے حضرات احناف پر الزام تراشی کی جاتی ہے۔ مثلاً قرأت خلف الامام، آمین بالجہر رفع یدین اور رکعات تراویح وغیرہ۔

علمی ذوق رکھنے والے عام پڑھے لکھے حضرات بھی اس کتاب سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور شکوک وشبہات کے ازالہ کیلئے اس سے تسکین حاصل کر سکتے ہیں۔

ادارہ اسلامیات نے عمدہ کاغذ اور خوشنما جاذب نظر جلد پر اس کتاب کو شائع کیا ہے۔

(ع۔س)

نام کتاب: **تحریک پاکستان اور علماء دیوبند**

تالیف: جناب حافظ محمد اکبر شاہ صاحب بخاری۔ صفحات: ۶۱۶۔ طباعت وکتابت مناسب

ناشر: ایچ ایم سعید اینڈ کمپنی۔ پاکستان چوک۔ کراچی۔

اس حقیقت کو خواہ کتنا ہی نظر انداز کیا جائے مگر وہ چھپی نہیں رہ سکتی کہ پاکستان کا قیام، علماء کرام کی کاوش وکوشش کا رہین منت ہے اور تحریک آزادی ہند یا تحریک حصول پاکستان علماء کرام ہی کی بے نام وبے ریا جدوجہد کا ثمر ہے۔ چونکہ ان مخلص بندوں کا مقصد محض رضاء الٰہی تھا، وہ صرف اسی لئے ایسی تحریکوں میں شرکت کرتے رہے تھے کہ ایک خطہ ارضی پر احکم الحاکمین کے تمام تر احکامات کو نافذ کر دکھایا جائے اور دنیا اسلامی معاشرہ، اسلامی عدل وانصاف اور اسلامی حقوق شہریت کا دلفریب نظارہ کرلے۔

یہ اُن پُرخلوص مجاہدین کے صاف دل ہونے ہی کا اثر تھا کہ انہوں نے کبھی اپنی کوششوں کو جتانا یا نمایاں کرنا ضروری نہ سمجھا بلکہ اپنے طبقہ کیخلاف غلط پروپیگنڈے کی تردید بھی باقاعدہ طور پر نہیں کی۔ لیکن علماء کرام کے خلاف ایک طویل عرصے تک کیجانیوالی اس زہریلی مہم نے عوام الناس میں یہ تاثر جما دیا کہ "علماء دیوبند پاکستان کے مخالف تھے۔ یا" علماء کرام کا تحریک آزادی میں کوئی حصہ ہی نہ تھا" یہاں تک کہ موجودہ دور کے متوسط درجے کے تعلیم یافتہ حضرات بھی یہی باور کئے بیٹھے ہیں اور اس کی وجہ سے علماء کرام کیخلاف قلم آزمائی سے بھی دریغ نہیں کرتے۔

اس میں شبہ نہیں کہ دور اوّل میں اس قسم کا تاثر پھیلانے میں وہی لوگ پیش پیش تھے جو دین سے بے بہرہ ہی نہیں بلکہ دین کے نام سے بدکتے تھے" اور یہ چاہتے تھے کہ یہ ایک خطہ آزاد ہوگیا ہے اب اس میں ہم اپنی من مانی کرتے رہیں اور مادر پدر آزاد زندگی گزاریں۔ کوئی شرعی قید و پابندی ہم پر نہ رہے۔ اس مقصد برآری کے تحت ہی انہوں نے علماء کرام کی کردارکشی کو ضروری سمجھا اور پاکستان کو ایک سیکولر اسٹیٹ قرار دیئے جانے کیلئے زمین ہموار کی۔ پھر بعد کے دور میں کچھ لوگ دا[illegible] اور کچھ نادانستہ طور پر اس پروپیگنڈے کو پھیلانے میں مصروف ہوگئے۔

علماء کی کردار کشی پر تو شاید کچھ دفاع کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی اس لئے کہ یہ سعادت بھی علماء حقانی ہی کے حصہ میں آتی ہے کہ وہ دین حق کی اشاعت کے لئے اعداء اسلام کے طعنے سنتے اور گالیاں برداشت کرتے ہیں۔ اپنی ذاتی تذلیل وتوہین سے بے نیاز رہ کر اپنے رب ذوالجلال کا کلمہ بلند کرتے ہیں۔ لیکن جب نوبت یہاں تک آپہنچی کہ علماء کے کردار کو صرف نظر کرکے حصول پاکستان کے مقصد کو سبوتاژ کیا جانے لگا تو پھر اصل مقصد کو بیان کرنے اور اس کے ذیل میں علماء ربانی کی کوششوں کا تذکرہ کرنے کا سلسلہ جاری ہوا۔ اور موقع بموقع تحریری وتقریری طور پر اس بدگمانی اور بدزبانی کا دفاع شروع کیا گیا جو معاندین پاکستان نے شروع کر رکھا تھا۔

بالخصوص علماء دیوبند کی خدمات کو اجاگر کرنے کی بہت زیادہ ضرورت تھی۔ ایک تو اس لئے کہ انہوں نے اس سلسلہ میں بہت پہلے سے اپنی کوششوں کا آغاز کیا تھا۔ اور حصول آزادی کے کئی باب اپنے خون سے رقم کئے تھے۔ انگریز کی جڑیں اکھاڑنے کا کام تو دراصل علماء ہی نے انجام دیا ہے یہی وجہ تھی کہ ۱۸۵۷ء کے بعد سے انگریز جس قدر زیادہ علماء سے خوف زدہ تھا اتنا کسی اور طبقے سے نہیں تھا اور اس نے جماعت علماء ہی کو ذلیل ورسوا کرنے کے لئے جو کوششیں کیں وہ کسی اور جماعت کو نیچا دکھانے کے لئے کرنے کی ضرورت نہ سمجھی۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ علماء کے تحریک حصول آزادی میں شریک نہ ہونے کا الزام علماء دیوبند ہی پر تھوپا جاتا ہے۔ اس لئے اس الزام کی حقیقت بیان کر دینا بہت ضروری تھا۔

جناب حافظ محمد اکبر شاہ بخاری صاحب نے اپنے مخصوص انداز تالیف سے مذکورہ بالا ضرورت کو پورا کرنے کی بہت عمدہ کوشش کی ہے اور پیش نظر کتاب میں خصوصیت سے علماء دیوبند کی کاوشوں اور محنتوں کو اجاگر کیا ہے۔ ضرورت ہے کہ نئی نسل کے ہاتھوں میں یہ کتاب پہنچائی جائے تاکہ وہ غلط فہمیوں کے گرداب سے نکل سکے اور علماء کرام کی ناقدری یا ان کے حق میں بدگمانی اور بدزبانی سے محفوظ رہکر اپنی عاقبت محمود رکھ سکے۔

امید ہے کہ باذوق قارئین اس کتاب کے مطالعہ سے نہ صرف خود محظوظ ہوں گے بلکہ اسے زیادہ سے زیادہ دوسرے ہاتھوں میں پہنچا کر حصول پاکستان کے نیک مقاصد کی ترویج واحیاء کا فریضہ انجام دیں گے۔

ادارہ ایچ ایم سعید اینڈ کمپنی خوبصورت جلد کے ساتھ معیاری انداز سے اس کتاب کو شائع کرنے پر مبارکباد کا مستحق ہے البتہ بعض جگہ طباعت کی غلطیاں باقی رہ گئی ہیں امید ہے آئندہ ایڈیشن میں اس کی بھی تلافی ہو جائے گی۔ (ر - ع - ه)

نام کتاب : روحِ عبادت اور اصلاحِ باطن

تالیف : حضرت مولانا سید عبدالرؤف شاہ صاحب زید فضلہ ۔

ناشر : احمد سلمان ۵/م کارخانہ بازار ۔ فیصل آباد

پیشِ نظر کتابچہ ۷۲ صفحات پر مشتمل ہے اور معیاری کتابت وطباعت اور دیگر تزئین کو رکیساتھ ہدیہ قارئین کیا گیا ہے ۔ اس کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت مؤلف زید مجدہم نے نہایت دل سوزی اور محبت کے ساتھ اللہ کے بندوں کو اللہ تعالیٰ سے جوڑنے کی سعی فرمائی ہے ۔ حق تعالیٰ سے محبت وتعلق قائم کرنے کا سب سے مؤثر ذریعہ نماز ہی ہے

اس کتابچہ میں نماز کی اہمیت ، اس کی فضیلت اور اس کی ادائیگی کے آداب اور بالخصوص باطن کی تربیت کے ضروری شرائط کا بہت پراثر انداز میں تذکرہ کیا گیا ہے ۔ زبان دانی کے لئے یہ کتابچہ گو معیاری نہ سہی مگر معرفت ربانی کے لئے ایسی تحریریں ہزار زبان دانیوں سے بڑھکر ثابت ہوتی ہے ۔ اللہ تعالیٰ ہر خاص وعام کو اس سے استفادہ کی توفیق عنایت فرمائے ۔ آمین

(ر ۔ ع ۔ ص)

محرم ۱۴۱۰ھ کے شمارے میں " حی علی الصلوٰۃ " کے عنوان سے ایک مضمون شائع ہوا تھا، جس کے آخر میں ایک فقہی مسئلہ بھی بیان کیا گیا تھا نجم المدارس کلاچی کے مہتمم حضرت مولانا قاضی عبدالکریم صاحب مدظلہم نے اس غلطی کی طرف توجہ مبذول کرائی ہے۔ عبارت یہ ہے:

" رکعت کا شریک وہی کہلائے گا جس نے امام کیساتھ رکوع میں شرکت کی بشرطیکہ امام کے ساتھ قیام میں اتنی دیر کھڑا ہو جس وقفے میں تین بار تسبیح پڑھنے کا امکان ہے ورنہ تو شرکت رکعت نہیں ہوگی۔"

اصل مضمون حضرت کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا ہے، اور حضرت نظر شاہ مسعودی کشمیری مدظلہم نے بطور ترجمان اس کو قلمبند فرمایا ہے۔ بظاہر یہاں نقل میں تسامح ہوا ہے۔ ورنہ اصل مسئلہ حضرات فقہائے کرام کی تصریح کے مطابق یہی ہے کہ: ادراک رکعت کیلئے امام کے ساتھ رکوع میں شرکت کافی ہے۔ قیام میں شرکت ضروری نہیں ہے۔

وفی الطحطاوی علی المراقی ص ۲۴۷: أنہ إذا وصل إلی حد الرکوع قبل أن یخرج الإمام من حد الرکوع فقد أدرك معه الرکعة، وإلا فلا۔

وذکر فی العنایۃ مع الفتح ۴۲۰:۱ - أثر ابن عمر رضی اللہ تعالی عنھما: إذا أدرکت الإمام راکعا، فرکعت قبل أن یرفع رأسه فقد أدرکت تلك الرکعة، وإن رفع رأسه قبل أن یرکع، فاتت تلك الرکعة۔

وفی شرح المنیۃ، ص ۵۱۰: ولا یعتد بالرکعۃ إلا بإدراك الإمام فی رکوعھا۔

اس غلطی کی نشاندہی پر ادارہ حضرت مولانا عبدالکریم صاحب مدظلہم کا ممنون ہے۔ (ادارہ)